نقیبِ ختمِ نبوّت

ماہنامہ

ملتان

شوال المکرم ۱۴۱۳ھ

اپریل ۱۹۹۳ء

(ترجمہ) اور اگر تم ہو شک میں اس کلام سے جو اتارا ہم نے اپنے خاص بندے پر تو لے آؤ ایک سورت اس قسم کی اور بلاؤ اللہ کے سوا اپنے حمایتیوں کو اگر تم سچے ہو پھر اگر نہ لا سکو اور ہرگز نہ لا سکو گے تو ڈرو اس آگ سے جس کا ایندھن ہیں آدمی اور پتھر۔ تیار رکھی ہے کافروں کے لیے (سورۃ البقرہ)

قادیانی نبوت اور احرار

احرار دنیا میں مٹنے کے لئے نہیں بلکہ ظلم اور سرکشی کو مٹانے کے لئے پیدا ہوئے ہیں۔ پس احرار رضاکاروں کا دنیا میں ایک ہی کام ہے کہ حق بات کہیں اور اس کی پاداش میں مٹ جائیں۔ اس فنا کے بعد بقا کا جدید دور شروع ہوتا ہے۔ احرار کے لئے فنا کے درجے میں بقاء کا راز مضمر ہے۔

تم نبوت کی بحث کس سے کرتے ہو؟ جو سرے سے مرزا غلام احمد کو مسلمان ہی نہیں سمجھتا۔ آؤ! تم کو مدنی ﷺ کی نبوت کا حال سناؤں کہ ریگستان کے لق و دق صحرا میں تنہا بے چارگی کے عالم میں علمِ توحید بلند کرتے ہیں۔ اپنے پرائے دشمن ہو گئے۔ قتل کے منصوبے کئے گئے۔ وطن سے نکلنا پڑا۔ اس پر بھی کفارِ مکہ سے کسی قسم کی درخواست نہیں کی۔ کفار آئے اور انہوں نے صرف اس قدر کہا کہ آپ ہمارے بتوں کو برا نہ کہیں۔ ہم تمہارے خدا کو برا نہیں کہتے۔ اگر کوئی قادیان کا نبی ہوتا تو کہتا کہ صورت بہت اچھی ہے۔ چلو مان جاؤ۔ مگر سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا: "میرے دائیں ہاتھ پر سورج اور بائیں پر چاند رکھ دیا جائے پھر بھی اعلائے کلمۃ الحق سے باز نہیں آؤں گا"۔

یہ ہے شانِ نبوت، تم ہی بتلاؤ کہ قادیان کی نوزائیدہ نبوت پولیس کے بغیر دو قدم بھی چلی ہے؟ ایک دن بتاؤ کہ فلاں دن قادیان کی نبوت انگریزی سہارے کے بغیر چلی ہو۔ بس یہ نبوت تو پولیس کے ہاتھ میں ہے۔ جس کو چاہے وہ نبی بنا دے۔

یاد رکھو! کہ سچا جب کمزور ہوتا ہے تو وہ اپنی بہادر اور شجاعت کا عظیم الشان مظاہرہ کرتا ہے۔ اور جب طاقتور ہوتا ہے تو اپنے دشمنوں تک کے لئے رحیم ہوتا ہے۔ میں قادیان کے مسلمانوں کو پھر کہتا ہوں کہ جرأت اور بہادری سے خدا پر بھروسہ رکھتے ہوئے پرامن طور پر علمِ توحید بلند رکھیں۔ میں قادیان کے مسلمانوں کو یقین دلانے آیا ہوں کہ حکومت بے شک اپنے منافق اور وفادار ٹولے کو پستول، ریوالور اور دوسری قسم کے ہتھیار ہمارے سینوں کو چھلنی کرنے کے لئے دے۔ اس کی مطلق پرواہ نہیں کیونکہ ہم مانتے ہیں کہ آج ہمارے سینے ان نشانوں کی آماجگاہ بنے ہوئے ہیں۔ تو آنے والا کل ان گولیوں کا منہ دوسری طرف پھیر دے گا۔ منافقت ایک عرصے تک چھپائی جا سکتی ہے۔ لیکن ہمیشہ کے لئے نہیں۔

مرزائیت ۔۔۔۔۔ اسلام میں ایک فتنہ کھڑا کیا گیا ہے۔ قادیان کے مسلمانو! تمہارا فرض ہے کہ اس فتنے کو جس قدر جلد مٹا سکتے ہو مٹا دو۔ چاہے اس کے عوض تمہارے سر پھوڑ دیئے جائیں یا تمہیں گولی کا نشانہ بنا دیا جائے تم بے تابانہ موت سے بغلگیر ہو جاؤ۔ خدا کی قسم میں اس وقت کا منتظر ہوں کہ قادیان کی گلیوں میں احرار رضاکاروں کے خون کی نہریں چلیں تو میں سمجھوں گا کہ میں اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا۔

اگر میں یا میرے رفقاء اس مشن کو پورا کرتے ہوئے مرزا محمود کے حواریوں کے ہاتھوں قتل ہو جائیں مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اس کفر کے ہاتھوں محفوظ ہو جائے تو یہ سودا مہنگا نہیں ہے۔

رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمن لدھیانویؒ

صدارتی خطاب - قادیان

۲۳ مارچ ۱۹۳۴ء

ماہنامہ نقیبِ ختمِ نبوّت ملتان

Regd No. L - 8755

شوال ۱۴۱۳ھ اپریل ۱۹۹۳ء جلد ۴ شمارہ ۴ قیمت فی پرچہ =/۸ روپے

سرپرست اکابر

حضرت مولانا خواجہ خان محمد مدظلہ

حضرت مولانا محمد اسحٰق صدیقی مدظلہ

مجلسِ ادارت

رئیس التحریر:

سید عطاء المحسن بخاری

مدیر مسئول:

سید محمد کفیل بخاری

رفقاءِ فکر

مولانا محمد عبدالحق مدظلہ

حکیم محمود احمد ظفر مدظلہ

ذوالکفل بخاری ◉ قمر الحسنین

خادم حسین ◉ ابوسفیان تائب

محمد عمر فاروق ◉ عبداللطیف خالد

سید خالد مسعود گیلانی

زرِ تعاون سالانہ

◎ اندرونِ ملک =/۱۰۰ روپے ◎ بیرونِ ملک =/۱۰۰۰ روپے پاکستانی

رابطہ دار بنی ہاشم — مہربان کالونی — ملتان — فون ۷۲۸۱۳

ترجمانِ تحفظِ ختمِ نبوّت شعبۂ تبلیغ عالمی مجلس احرارِ اسلام پاکستان

ناشر: سید محمد کفیل بخاری طابع: تشکیل احمد اختر مطبع: تشکیل نور پرنٹرز مقام اشاعت: دار بنی ہاشم ملتان

آئینہ

دل کی بات	مدیر	۳
جمہوریت شرک ہے	خطاب سید عطاء المحسن بخاری مدظلہٗ	۶
عالمی دہشت گردوں کے نام (نظم)	انور مسعود	۱۲
جنگِ یمامہ	محترم شاہ بلیغ الدین	۱۳
نعت	مولانا قاری محمد طیب رحمہ اللہ	۱۷
ہندوستان میں عیسائیت کی یلغار	حکیم محمود احمد ظفر	۱۸
قادیان دارالشیطان	سید نذیر نیازی مرحوم	۲۸
زبان میری ہے بات ان کی	ساغر اقبالی	۲۹
م-ش کی قادیانیت نوازی اور علامہ اقبال کی اولاد کی گارڈین شپ	محمد عمر فاروق	۳۲
درد کی آنچ	نذیر ناجی	۳۸
موت کے سائے	شیخ حبیب الرحمٰن بٹالوی	۴۶
فدائے احرار مولانا گل شیر شہید	محترم سعید الرحمٰن علوی	۴۸
چمن چمن اُجالا	نمائندگان	۵۳
انہار امیر شریعتؒ	مولانا عبدالکریم صابر	۵۶
مسافرینِ آخرت	ادارہ	۵۷
زبانِ خلق	قارئینِ نقیب	۵۹
مآل (نظم)	پروفیسر محمد اکرام تائب	۶۲
غزل	پروفیسر خالد شبیر احمد	۶۳

دل کی بات

شہداءِ ختمِ نبوت کی یاد میں

یہ امر شک و شبہ سے بالاتر ہے کہ قادیانی یہود و نصاریٰ کے ایجنٹ ہیں۔ انگریز استعمار نے اپنے عہد اقتدار میں اپنی سیاسی اور مذہبی ضرورتوں اور مجبوریوں کے تحت انہیں پروان چڑھایا اور مکمل سرپرستی سے نوازا۔ انگریز کی اس ذریت البغایا نے اسلام اور وطن کو نقصان پہنچانے کے لئے بطور ففتھ کالم کے کام کیا اور ہنوز کر رہے ہیں۔

مجلسِ احرارِ اسلام برصغیر کی واحد عوامی انقلابی دینی جماعت تھی جس نے قادیانیوں کے عوامی سطح پر محاسبہ کی ضرورت کو نہ صرف محسوس کیا بلکہ اپنے قول و عمل سے اس کا بھرپور مظاہرہ بھی کیا۔ ۱۹۳۴ء میں قادیان سے جس عوامی محاسبے کا آغاز ہوا کاروانِ احرار نے ۱۹۵۳ء کے جاں گداز مرحلہ سے گزر کر ۱۹۷۴ء میں اسے پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔ پاکستان کی قومی اسمبلی میں قرار دادِ اقلیت کا منظور ہو جانا ملکی تاریخ میں یقیناً ایک غیر معمولی واقعہ تھا جو دراصل ۱۹۵۳ء میں عقیدۂ ختمِ نبوت کے تحفظ کے لئے پاکستان کے مسلم لیگی ہلاکوؤں اور چنگیزیوں کے ہاتھوں جامِ شہادت نوش کرنے والے دس ہزار قدسی صفت فدائینِ ختمِ نبوت کے خون بے گناہی کی پکار کے نتیجہ میں وقوع پذیر ہوا تھا۔

سلام صد ہزاراں سلام، اُن شہداء کی مقدس ارواح پر ان کے زندۂ جاوید اجسام پر اور ان کی بے نام و نشان تربتوں پر کہ انہوں نے اللہ کے آخری نبی و رسول ﷺ کی نبوت کے تحفظ کے لئے اپنے جسموں کے ٹکڑے کرا لئے مگر دنیا کی مختصر سی زندگی پر آخرت کی ابدی زندگی کو ترجیح دی۔ وہ زندہ ہیں اور ہمیشہ زندہ رہیں گے۔

اے جان دینے والو محمد کے نام پر
ارفع بہشت سے بھی تمہارا مقام ہے
تحریکِ پاک ختمِ نبوت کے عاشقو
واللہ! تم پہ آتشِ دوزخ حرام ہے

مارچ ۱۹۵۳ء میں پاکستان کے مسلم لیگی حکمرانوں، خواجہ ناظم الدین، ممتاز دولتانہ، ڈاکٹر ثانی جنرل اعظم خان نے جس سفاکی، بے دردی اور ظلم سے بے گناہ مسلمانوں کے جسم امپورٹڈ گولیوں سے چھلنی کئے تھے اُسے ظلم کی تاریخ میں کبھی نہیں بھلایا جائے گا۔ مگر آج شہداء ختمِ نبوت کے وارث ان زندہ لاشوں سے پوچھتے ہیں کہ کہاں ہے تمہارا وہ اقتدار، غرور اور حکم جس کے خمار میں بدمست ہو کر تم نے مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیلی۔ آج تمہارا وجود نامسعود نفرت کی علامت بن چکا ہے۔ دنیا کی ذلت کا مشاہدہ تم خود کر چکے اور آخرت کی رسوائی کے لئے ہچکیاں لے رہے ہو اور دینِ حق پر جاں نثار ہونے والے دنیا میں عزت و شرف سے سرفراز ہوئے اور آخرت میں بھی حیاتِ جاودانی کے وعدۂ حق کے مستحق ٹھہرے۔

ناظم الدین گئے، دولتانے گئے، قادیانی ظفر کے گھرانے گئے
وہ وزارت کے اگلے زمانے گئے، بلبلیں اُڑ گئیں، آشیانے گئے
نام لیکن شہیدوں کے مشہور ہیں
ہمتیں غازیوں کی بدستور ہیں

احرار وفاشعارو! تم شہداءِ نبوت کے خون کے وارث ہو اس وراثت کا تم پر حق ہے۔ پرچمِ ختمِ نبوت کو ہمیشہ بلند رکھنا اور غداران ختمِ نبوت کو اپنی عقابی نگاہ میں رکھنا۔ شہداءِ ختمِ نبوت کے پیغام کو گھر گھر پہنچانا تمہارا موروثی فرض ہے۔ خوش قسمت ہو تم کہ آج ربوہ میں شہداءِ ختمِ نبوت کا نعرۂ رستاخیز بلند کر رہے ہو۔ اور ایسا کیوں نہ ہو اس لئے کہ یہ تمہارا

ہی حق ہے۔ تمہارا ہی فرض ہے اور تمہیں ہی زیبا ہے۔

کل بھی مسلم لیگ کی حکمرانی تھی اور آج بھی اُسی کی راجدھانی ہے۔ ماضی میں اُس نے نشۂ اقتدار میں بدمست ہو کر مسلمانوں کو قتل کیا۔ آج اسلام کو قتل کر رہی ہے۔ یہود و نصاریٰ کی تہذیب و ثقافت کو عام کیا جا رہا ہے۔ دینی اقدار کو پامال کیا جا رہا ہے۔ دینداروں کا مذاق اڑایا جا رہا ہے۔ ہمیں اپنے حکمرانوں سے پہلے کوئی خوش فہمی تھی نہ اب ہے اور نہ آئندہ ہو گی۔ ہمارے سیاست دان ہوں کہ حکمران سب کے سب دین کی حزبِ اختلاف ہیں۔ اور یہی ان کی قدرِ مشترک ہے۔

دین کا درد رکھنے والوں اور دین کا نام لینے والوں کی ذمہ داریاں پہلے سے زیادہ بڑھ گئی ہیں۔ اور پہلے سے زیادہ متحد و منظم ہو کر دینِ اسلام کے نفاذ و استحکام کی جدوجہد کرنے کی ضرورت ہے۔ خواہ اس کے لئے ہمیں جاں سے بھی گزرنا پڑے اس سے دریغ نہ کریں۔ دینی کارکن اپنے رجزیہ ترانوں سے پاکستان کی فضاؤں کو گرما دیں اور اس جمود کو توڑتے ہوئے ایک ارتعاش پیدا کر دیں۔ کہ

ہمیں تو رہروؤں کی ٹھوکریں کھانا مگر جانا ہے

آٹھویں ترمیم کا مسئلہ

گزشتہ کئی ماہ سے ہمارے حکمرانوں اور سیاست دانوں نے آئین کی آٹھویں ترمیم کو ملک کا سب سے بڑا مسئلہ بنا رکھا ہے اور اس کے خاتمے کی باتیں زبان زد عام ہیں۔ وجوہات تو بہت ہیں مگر صدر اور وزیر اعظم کے اختیارات میں عدم توازن کو سب سے بڑی وجہ قرار دیا جا رہا ہے۔ کہ اس ترمیم سے صدر مملکت کسی کے سامنے جوابدہ نہیں رہتا جبکہ وہ خود سب کی جواب طلبی کر سکتا ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ اصل وجہ یہ نہیں ہے اور سیاسی شاطر قوم کو پھر دھوکہ دے رہے ہیں۔ آٹھویں ترمیم کے خاتمے سے شرعی عدالتوں کا نظام ختم ہو جائے گا۔ امتناع قادیانیت آرڈیننس متاثر ہو گا۔ اور ضیاء الحق شہید نے اس ترمیم کے ذریعے نفاذ اسلام سے متعلق جتنے آرڈیننس نافذ کئے وہ سب کے سب ختم ہو جائیں گے۔ جو سیاست دان اب اسے غلط کہہ رہے ہیں۔ ماضی میں انہوں نے ہی اس ترمیم کو اسمبلی میں منظور کیا۔ وہ اگر کل غیر جماعتی اسمبلی کے رکن تھے تو آج جماعتی اسمبلی میں ہیں۔ اسلئے ان کے نزدیک صدر اور وزیر اعظم کوئی مسئلہ نہیں انہیں تو اقتدار کی ٹھنڈی چھاؤں چاہیے۔ اور یہ کام صدر کر دے یا وزیر اعظم اصل مسئلہ پاکستان میں نفاذ اسلام کے عمل کو ہر سطح پر سبوتاژ کرنا ہے اور بس! آٹھویں ترمیم کے بعض حصوں سے جزوی اختلاف تو ہو سکتا ہے مگر ہم اس کے مکمل خاتمے کو ملک کیلئے نقصان دہ سمجھتے ہیں۔

سابق وزیر اعظم محمد خان جونیجو بھی آخرت کو سدھار گئے۔ ملک کی سیاسی تاریخ میں انہیں ایک شریف اور بے ضرر وزیر اعظم قرار دیا گیا ہے یقیناً وہ اپنی ذاتی حیثیت میں انہی خوبیوں سے متصف تھے اور انہوں نے سیاست میں شرافت کا رویہ اپنا کر سیاسی حلقوں میں عزت و شہرت پائی۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے۔ مگر حکومتی تاریخ کا تجزیہ کرتے وقت اس امر سے انکار کی گنجائش نہیں رہتی کہ وہ خود غیر جماعتی سیاست اور اسمبلی کا حصہ تھے۔ آٹھویں ترمیم کو منظور کرنے اور تحفظ دینے والے تھے انہوں نے جنیوا معاہدہ کر کے افغان جہاد کو سخت نقصان پہنچایا۔ حال ہی میں وزیر خزانہ نے کہا ہے کہ پاکستان اس وقت پانچ سو ارب روپے کا مقروض ہے جس کا سبب انہوں نے یہ بتایا کہ اخراجات آمدنی سے بہت زیادہ ہیں۔ اخراجات کی فراوانی سے انکار نہیں مگر یہ بات بھی محل نظر رہے کہ قرضوں کا لامتناہی سلسلہ بھی مرحوم جونیجو کے دورِ اقتدار میں شروع ہوا جس سے ملک معاشی، اقتصادی اور سیاسی بحران کا شکار ہوا۔ ایک طرف قرضوں کا بوجھ ہے تو دوسری طرف حکمرانوں کی شاہ خرچیاں اور اللے تللے ہیں۔ جن سے یہ بوجھ کم ہونے کی بجائے مزید بڑھ رہا ہے۔ بیروزگاری عام ہو

گئی ہے۔

ہماری گزارش ہے کہ حکمران اپنے اخراجات کم کر کے قوم کو اس بوجھ سے نکالیں اور اگر ایسا نہ کیا گیا تو ملک کو ناقابل تلافی نقصان پہنچے گا۔

توہین رسالت کا ملزم، ڈاکٹر اختر حمید خان

ان دنوں سیشن جج ساہیوال کی عدالت میں توہین رسالت کا ایک مشہور مقدمہ زیر سماعت ہے۔ پاکستان کا ایک سابق بیوروکریٹ ڈاکٹر اختر حمید خان اس مقدمہ میں ماخوذ ہے۔ ملزم نے ۱۹۸۸ء میں ایک بھارتی جریدے کے نمائندے کو انٹرویو دیا جو ہفت روزہ تکبیر کراچی نے اپنی ۱۹ مئی ۱۹۸۸ء کی اشاعت میں شائع کیا۔ اس انٹرویو میں ملزم نے قرآنی احکامات کا مذاق اڑایا اور شانِ رسالت میں گستاخیاں کیں۔ ملزم اتنا بااثر ہے کہ اس پر کوئی مقدمہ ہی درج نہیں کرتا تھا۔ بڑی کوشش سے مقدمہ درج ہوا تو عدالت کی طرف سے اشتہاری قرار پانے کے باوجود اسے حکومت گرفتار نہ کر سکی۔ گزشتہ دنوں امریکہ میں پاکستانی سفیر بیگم عابدہ حسین نے "دی نیشن" کو اپنے انٹرویو میں بتایا کہ امریکی محکمہ خارجہ کے ڈائریکٹر انسانی حقوق نے انہیں امریکی حکومت کی طرف سے اختر حمید خان کے معاملہ میں تشویش سے آگاہ کیا ہے۔ امریکی حکومت کا کہنا ہے کہ اختر حمید خان انسانی حقوق کے حوالے سے عالمی شہرت یافتہ شخصیت ہیں۔ اختر حمید کیا ہیں اور کیا نہیں؟ اس کا فیصلہ عدالت کو کرنا ہے۔ لیکن عابدہ حسین نے امریکہ کے کہنے پر یہاں کے دانشوروں سے اپیل کی کہ وہ اس مقدمہ کو ختم کرانے کیلئے حکومت پر عوامی دباؤ ڈالیں۔ اور پنجاب حکومت نے اس دباؤ کا شکار ہو کر مقدمہ واپس لینے کی درخواست بھی الت میں دائر کر دی۔ جسے سیشن جج ساہیوال نے مسترد کر کے ملزم کو گرفتار کر کے عدالت میں پیش کرنے کا حکم صادر ۔مگر ابھی تک حکومت ملزم کو گرفتار نہیں کر سکی۔ پیشہ ور دانشوروں میں منو بھائی جب بھی اپنے "گریبان" میں جھانکتے ہیں یں اختر حمید خان نظر آجاتا ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ ملزم کو عدالت میں حاضر ہو کر اپنی صفائی پیش کرنی چاہیے۔ اور یہی اس کے لئے بہتر ہے۔ عابدہ حسین نے امریکی دباؤ کا ذکر کر کے عدلیہ کے وقار کو مجروح کیا ہے۔ حکومت ملزم کو گرفتار اور اپنے فیصلے کی بجائے عدالتی فیصلہ کو ترجیح دے۔

ستار طاہر مرحوم کی آخری تحریر

ممتاز صحافی، مترجم، کہانی نویس اور دانشور ستار طاہر عید کے روز لاہور میں انتقال کر گئے انہوں نے بے شمار انگریزی کتابوں کے تراجم کئے۔ ان دنوں "ماہنامہ قومی ڈائجسٹ سے وابستہ تھے۔ حال ہی میں انہوں نے ایک ایرانی نژاد لڑکی شہلا حائری (جو کسی آیت اللہ کی نواسی ہے) کی کتاب "LAW OF DESIRE" کا اردو ترجمہ "چاہت کا قانون" کے نام سے کیا جو قومی ڈائجسٹ مارچ ۱۹۹۳ء کے شمارے میں شائع ہوا اس کتاب میں ایرانی معاشرے میں مُتعہ جیسے رسوائے زمانہ اور کافرانہ عمل بد کی تصویر کشی ایک ایرانی لڑکی نے ... کی ہے۔ ستار طاہر مرحوم کا یہ بڑا کارنامہ ہے کہ انہوں نے اس کتاب کو عام قاری تک پہنچا دیا، اس سے قاری خود فیصلہ کر سکے گا کہ متعہ باز معاشرہ اسلامی معاشرہ نہیں کہلا سکتا۔ اللہ تعالیٰ ستار طاہر کی مغفرت فرمائے۔ اور اُن کی لغزشوں کو معاف فرمائے۔ آمین

ناقل: مہدی معاویہ

خطاب سید عطاء المحسن بخاری مدظلہ،

جمہوریت شرک ہے

خطاب: توحید و سنت کانفرنس۔ ۲۶ ستمبر ۱۹۸۷ء . جامع مسجد برمنگھم۔ انگلینڈ

الحمد لله الذی لم یتخذولداً ولم یکن لہ شریک فی الملک ولم یکن لہ ولی من الذل وکبّرہ تکبیراً۔ سبحانہ و تعالیٰ عما یقولون علواً کبیراً۔ واشھد ان لا الہ الا الله وحدہ لاشریک لہ۔ الذی ارسل محمداً نبیاً ورسولاً و شاہداً ومبشراً و نذیراً وداعیاً الی الله باذنہ و سراجاً منیراً۔ صلی الله علیہ وعلیٰ آلہ وازواجہ واصحابہ وبارک وسلم تسلیماً کثیراً کثیراً۔

اما بعد فاعوذ باالله من الشیطن الرجیم۔ بسم الله الرحمٰن الرحیم۔

شرع لکم من الدین ماوصّٰی بہ نوحاً والذی او حینا الیک وما وصینا بہ ابرھیم وموسیٰ وعیسیٰ ان اقیموالدین ولا تتفرقوا فیہ، کبر علی المشرکین ماتدعوھم الیہ الله یجتبی الیہ من یشاء و یھدی الیہ من ینیب صدق الله العظیم۔

معزز علمائے کرام، محترم نمائندگانِ مصر و عراق، سامعین مکرم!

توحید و سنت کانفرنس میں آپ حضرات کی شرکت اور ہم فقیروں کی حاضری محض اللہ کا فضل و کرم ہے۔ وہ اللہ جو اپنے ایک بندے کے ذریعے سے "تین سو ساٹھ جمہوری قوتوں" کو شکست دیتا ہے۔ ڈیموکریٹک پاورز کو ہمیشہ کے لئے دفن کر دیتا ہے۔ وہ اللہ جو محمد بن عبداللہ سے آلِ عدنان و قحطان کے تین سو ساٹھ نسلی طبقات میں

انی ان الله لا الہ الا انا فاعبدنی

کے خوبصورت اور حسین الفاظ کا رس دل کے کانوں میں گھولتا ہے۔ وہ اللہ جو اس کائنات میں اپنی حکومت و اقتدار کے سوا کسی کا اقتدار گوارا نہیں کرتا۔

"لوکان فیھما الھة الا الله لفسدتا"

اس کائناتِ ارض و سماوی میں اگر دوسرا الٰہ ہوتا تو یہ کائنات زیر و زبر ہو جاتی۔

"بین السماء والارض لوکان الھاً آخر"

اللہ سے الٰہ ہمیں سمجھ نہیں آتا اور ہم گھبرا اٹھتے ہیں۔ وہ ذات گرامی جو قلب انسانی کے عمق میں اور اس کے

نفسِ ناطقہ کی گہرائی میں ایک ایسا جذبہ پیدا کر دے جو انسان کو کسی کا والہ و شیدا بنا دے اس کو الٰہ کہتے ہیں۔

اب اگر میرے اور آپ کے دل میں اس اللہ کے علاوہ کسی اور کا والہانہ پن پیدا ہو جائے کہ میں ہر وقت اسی کو پکاروں۔۔۔۔۔ یہی شرک ہے۔ ایسا آدمی گردن زدنی اور ناقابلِ معافی ہے اور وہ اللہ جو کہتا ہے:

O ان الحکم الا لله امران لا تعبدوا الا ایاه ذالک الدین القیم ولکن اکثر الناس لا یعلمون

حکومت نہیں ہے کسی کی۔ سوائے اللہ کے۔ اس نے فرمایا کہ نہ پوجو مگر اسی کو۔ یہی سیدھا راستہ ہے۔ پر اکثر لوگ نہیں جانتے۔ (یوسف۔ ۴۰)

O ذالک الدین القیم فلا تظلموا فیهن انفسکم و قاتلوا المشرکین کافۃً کما یقاتلوا انکم کافۃ O واعلموا ان الله مع المتقین۔

یہی ہے سیدھا دین۔ سو ان میں ظلم مت کرو اپنے اوپر اور لڑو سب مشرکوں سے ہر حال میں اور جان لو اللہ ساتھ ہے ڈرنے والوں کے (التوبہ۔ ۳۵)

حکومت، حکمرانی اور اس کے تمام ترجتنے بھی لوازم ہیں سب اسی کے لئے ہیں۔

سروری زیبا فقط اس ذات بے ہمتا کو ہے
حکمراں ہے بس وہی باقی بتان آزری

اور ہم مسلمان علماء، صوفیاء، محدثین، مفسرین، اصحابِ بیعت و ارشاد اگر اس اللہ کی حکمرانی، اسکے عطاء کئے ہوئے نظام ریاست و سیاست کو چھوڑ کر کسی اور طرف رخ کریں تو یہ بھی تو شرک ہی ہے۔۔۔۔ اور کیا ہے؟! اگر ایک قبر کو مشکل کشا ماننا شرک ہے تو کسی اور نظام ریاست امپیریلزم، ڈیموکریسی، کمیونزم کیپیٹل ازم اور تمام غیر اسلامی باطل نظام ہائے ریاست کو ماننا کب اسلام ہو سکتا ہے۔

"ومن یشرک بالله فقد ضل ضلالاً بعیداً"

"جو شخص شرک کرتا ہے تحقیق وہ بہت دور کی گمراہی میں مبتلا ہوا" (۱) اور قرآن ان کو تحدی کرتا ہے۔ چیلنج کرتا ہے۔ امام المشرقین والمغربین، رسول الثقلین شفیع المذنبین، مولائے کائنات، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہتا ہے۔

"الم ترالی الذین یزعمون انهم آمنوا بما انزل الیک وما انزل من قبلک یریدون ان یتحا کموا الی الطاغوت"

الم تر الی الذین۔۔۔۔۔۔

اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ دیکھتے نہیں ان کی طرف، انکے حالات، انکا کیریکٹر، انکا ماضی و حال ان کی سازش، وہ اپنے تئیں گمان کرتے ہیں،

یفهون و یزعون

کہ وہ آپ پر بھی ایمان لے آئیں اور آپ سے پہلے جو کچھ نازل ہوا اس پر بھی ایمان لے آئیں۔
یریدون ان یتحا کموا الی الطاغوت
حقیقت حال یہ ہے کہ وہ طاغوت کی حکمرانی قائم کرنا چاہتے ہیں۔ (۲)
ڈیمو کریسی ، امپیریل ازم کمیونزم اور کیپیٹل ازم وغیرہ طاغوت ہیں یہ سب نظام کفر ہیں اور حق سے پھیرنے والے ہیں۔
فمن یکفر باالطاغوت و یومن باللہ فقد ستمسک بالعروۃ الوثقیٰ"
طاغوت سے انکار کیجئے، ماننے سے پہلے طاغوت کو ووٹ آوٹ کرنا واجب ہے۔ اللہ کی وحدت کو ماننے سے پہلے اللہ کی اپوزیشن کو کنڈیم کرو۔ اس کی اپوزیشن کو رد نہیں کرتے بلکہ اس سے مفاہمت کرتے ہو۔
تم کیسے انقلابی ہو جو خدا کے دشمنوں سے معاونت (COPPRATION) کرتے ہو، اور اس سے ووٹ مانگتے ہو۔ اگر کسی آدمی کا ایک ووٹ ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی ایک ووٹ ہے، ابو جہل کا بھی ایک ووٹ ہے۔
ھذا فی الا سلام------؟　کیا یہ اسلام میں ہے؟
اور اگر ابو جہل کا ووٹ تھا تو اسکو ابو جہل کہنے کا کیا مطلب----؟ وہاں ابو بکر رضی اللہ عنہ کا عمر رضی اللہ عنہ کا، عثمان رضی اللہ عنہ کا، علی رضی اللہ عنہ کا،　معاویہ رضی اللہ عنہ کا، حسن رضی اللہ عنہ و حسین رضی اللہ عنہ کا، ابو سفیان، طلحہ رضی اللہ عنہ، ابو عبیدہ ابن الجراح رضی اللہ عنہ خالد ابن ولید رضی اللہ عنہ، عمار ابن یاسر کسی کا ووٹ نہیں------ تم کہاں ہو؟　تم----- جن کو شریعت کے مطابق استنجا کرنے کا علم نہیں،
صرف سجدہ کر لینا اور جھک جانا ہی شرک نہیں اس سے بڑا شرک اعماقِ جاں میں کھبا ہوا شرک ہے۔ اس دور میں

"اہلِ حق اعماقِ جاں میں منتشر"

اسی لئے گروپنگ ہے، جتھہ بندی ہے اور گروہی مفادات ہیں کہ اعماقِ جاں میں انتشار موجود ہے۔ اور اس کی وجہ نظام ہائے باطل سے مفاہمت (COMPROMISE) ہے۔
یہ مسٹر خمینی، دو پاؤں پر چلنے والا وحشی جانور

حاشیے
(۱) مفسرین نے لکھا ہے کہ
الشرک اعظم انواع الضلال و ابعد ھا من الصواب
شرک، گمراہی کی انواع میں سے سب سے بڑی نوع ہے اور درستگی سے بہت دور ہے۔
(۲) طاغوت کہتے ہیں
کل ما شغلک عن الحق فھو طاغوت۔　جو چیز بھی حق سے پھیر دے وہ طاغوت ہے۔

"---- فمنهم من يمشي على رجلين"

"الحضارة الخبيثہ" ماڈرن سولائزیشن کا نمائندہ ہے، یہودیت نے مذہب کی چھاپ لگا کر نیا روپ اختیار کیا اور نام ہو گیا ہے اُس کا "خمینیت"

آپ ذرا غور فرمائیے ہم اور آپ ایک ہیں، ساری کائنات میں ایک ہیں، ہماری اکائی کو کس نے تقسیم کیا؟ ہماری وحدت کو کس نے پارہ پارہ کیا؟ ہماری یک جہتی کو کس نے تقسیم کیا؟ ہماری یکسوئی کو کس طرح مختلف سمتوں میں مختلف سمتوں میں گھما دیا۔

ڈیمو کریسی، امپریلزم اور کمیونزم جیسے خبیث ترین، بد ترین اور کافرانہ ریاستی نظاموں نے ہمیں تقسیم کر یا۔ اور ہم نے خوشی سے اس تقسیم کو قبول کر لیا۔ پھر ہم اس تقسیم کو قبول کر کے گوشہ نشین نہیں ہو گئے بلکہ ں کے لئے سماج میں (MOVE) حرکت کی اور اس (MOVEMENT) تحریک کو ہمارے نام نہاد سیاسی ہنماؤں نے اسلام کہا۔

قبر کو سجدہ کرنے والا مشرک، پتھر، لکڑی اور درخت کو مشکل کشا ماننے والا حاجت روا ماننے والا مشرک۔ اور یر اللہ کے نظاموں کو مرتب کرنا اور اسکے لئے تگ و دو کرنا اور اس نظام کو قبول کرنا یہ توحید ہے----؟

ہیں کواکب کچھ نظر آتے ہیں کچھ
دیتے ہیں دھوکہ یہ بازی گر کھلا

اور بقول اقبال:

بتوں سے تجھ کو امیدیں، خدا سے نومیدی
مجھے بتا تو سہی اور کافری کیا ہے؟

"وماذا بعد الحق الالضلال فانى تسرفون" سورة ، آیت

کہاں گھومے جا رہے ہو۔ حق کے بعد سوائے ضلال و گمراہی کے، ذلت و رسوائی کے اور کچھ نہیں۔ امت مسلمہ کی مسکنت اور پامالی کی ایک وجہ یہ ہے کہ اُس نے محمد کریم علیہ الوہ التحیتہ والتسلیم کا راستہ چھوڑا۔ ان کے تمدن کو چھوڑا، ان کی تہذیبی اقدار (VELUSE) کو چھوڑا۔ ان کی معاشرتی اور گھریلو اقدار کو ترک کیا۔ ماڈرن سولائزیشن اور ماڈرن کلچرل موومنٹ (یہودیوں اور عیسائیوں کی تہذیب) کو قبول کر کے عملاً اسلام کو کندطم کیا۔

آج کا مسلمان----؟ پاکستان، ہندوستان، سوڈان، عراق اور دیگر مسلم ممالک کے اخبارات و جرائد میں بحث ہوتی ہے کہ اسلامی سزائیں ظالمانہ سزائیں ہیں یا عادلانہ سزائیں----؟ تمام ممالک میں اباحی لوگوں نے جو ڈیمو کریسی یا کمیونزم کو قبول کرتے ہیں۔ انہوں نے مذاہب توڑ دیئے، بغاوت اور انار کی پیدا کی اور اسلام کے پردے پر، اسکی گواہی پر، اس کی دیت پر، شراب نوشی، جوئے، اغواء، چوری ڈاکہ، قتل اور دیگر جرائم قبیحہ پر عمل کرنے والے لوگوں کو پروڈکشن دی ہے---- یہ کس لئے؟ تاکہ غیر اسلامی نظام آسانی سے پھیل سکے اور اس کا اقتدار برقرار رہ سکے جو کہ اللہ اور اس کے رسول کی اپوزیشن میں ہے۔

صحابہ کرام آئمہ فقہاء، صوفیاء عرب و عجم----؟ آپ مجھے بتائیں کہ ان میں کسی ایک آدمی نے بھی اس

نظام کو کسی بھی انداز میں قبول کیا ہو۔۔۔۔۔؟ سب سے پہلے تو سرور کونین حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بات ماننا ہو گی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اخرجو الیھود من جزیرة العرب او من جزائر العرب۔

(یہودیت کو جزائر عرب سے نکال دو) یہ ڈیموکریسی ہے؟ کسی ایک قوم کو ملک سے نکال دینا یہ جمہوریت نہیں ہے۔ مگر اسلام ہے۔ ہاں البتہ یہاں آپ کے ہاں جمہوریت ہے۔ یہاں انگریز بھی ہیں، سکھ بھی ہیں، ہندو اور مسلمان بھی ہیں۔ فرنچ بھی ہیں اور کالے بھی ہیں۔۔۔۔۔ یعنی اقدار سے بھٹکا ہوا ایک مخلوط معاشرہ ہے یہ ڈیموکریسی ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں یہودیوں کو نکال دو ہم کہتے ہیں کہ پاکستان میں مرزائیوں کی تبلیغ کو خلافِ قانون قرار دو۔ اگر ہم یہ سب کچھ کرنا چاہتے ہیں تو یہ اسلام کے بغیر نہیں ہوگا۔

موجودہ نظاموں میں جتنے بھی نظام ہیں ان کے قانونی جمہوری حقوق ہیں۔ خمینی کے بھی حقوق ہیں، مرزائیوں کے بھی حقوق ہیں۔

اگر آپ اسلام چاہتے ہیں تو پھر نہ خمینی کے حقوق ہیں، نہ مرزائیوں کے حقوق ہیں، نہ کسی مشرک کے حقوق ہیں نہ کسی فاسق و فاجر کے نہ کسی ابلیس کے شاگرد کے۔ ہاں اُن کے ذاتی بنیادی حقوق ہیں۔ جن سے تجاوز اسلام کے قانون کی خلاف ورزی ہے۔ ابلیس کے جتنے بھی لشکر ہیں۔ "جنود ابلیس" کے کسی ایک جُندی کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ اسلامی ریاست میں اپنے فکر کی ترویج و اشاعت کرے۔ یعنی تبلیغ و اشاعت کے لئے اپنے لوگوں کو اکٹھا کرے۔ وہ کچھ نہیں کرسکتا بجز ایک فرماں بردار خموش شہری کے۔

اللہ پاک بار بار یہی کہتے ہیں:

"کبرعلی المشرکین ماتدعو ھم الیہ"

مشرکوں کو یہ بات گراں ہے کہ آپ ان کو اس کی طرف بلاتے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود و نصاریٰ سے فرمایا اسلام قبول کر لو سلامتی لے لو، اور اگر اسلام قبول نہیں کرتے ہو تو ہمیں (UPPER HAND) بالادست مانو اور ہماری اطاعت قبول کرو۔ یہ بھی قبول نہیں ہے تو پھر تلوار لے آؤ میدان میں آجاؤ، دو دو ہاتھ کرلیتے ہیں۔۔۔۔۔ کیا یہ جمہوریت ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

خالفوا الیھود والنصاریٰ"

یہود و نصاریٰ کی مخالفت کرو۔

یہ تہذیبی عمل ہے کہ تہذیبی امور میں یہود و نصاریٰ کی مخالفت کرو۔ کہاں ہے جمہوریت اسلام میں؟ نہ ووٹ ہے نہ (COMPROMISE) مفاہمت ہے اور نہ ان کا وجود برداشت ہے۔ نہ ان کی تہذیب برداشت ہے۔ جو دین یہ کہتا ہے کہ بیت الخلاء میں جاؤ تو ہماری پابندی کرو، پہلے بایاں پاؤں اندر داخل کرو۔ پھر دایاں پاؤں داخل کرو۔ نکلو تو پہلے دایاں پاؤں نکالو پھر بایاں پاؤں نکالو۔ قمیض پہنو تو یوں پہنو، جوتا پہنو تو یوں پہنو، مسجد میں آؤ تو یوں آؤ، گھر میں جانا ہو تو یوں جاؤ، بازار میں داخل ہوں تو یوں۔ زندگی کے تمام امور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے

مطابق سر انجام دو۔ وہ آپ کی رائے کا احترام کرتا ہے یا آپ کو مطیع بنانا چاہتا ہے۔؟

اسلام آپ سے اطاعت مانگتا ہے۔ آپ سے ووٹ نہیں مانگتا۔ آپ کی رائے نہیں مانگتا۔

"من یطع الرسول فقد اطاع اللہ" سورۃ آیت

"جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی"۔

آپ کو اسلام میں ترمیم و اضافے کا کوئی اختیار نہیں دیا گیا۔

اور جناب سنیئے۔۔۔۔!

"شرع لکم من الدین ماوصیٰ بہ نوحا والذی اوحینا الیک وما وصینا بہ ابراہیم و موسیٰ وعیسیٰ ان اقیمو الدین ولا تتفرقوا فیہ"

ٹکڑے نہ ہو جاؤ، وحدت ملی۔۔۔۔ کونسی وحدت ملی؟ وحدت ابرہیمی، دیو بندی ملتہ نہیں، بریلوی ملتہ نہیں، اہلِ حدیث ملتہ نہیں، مجلسِ احرار ملتہ نہیں، جمعیۃ العلماء ملتہ نہیں، پوری امت ملتِ ابراہیم۔

"ملتہ ابیکم ابراھیم، ھو سمّٰکم المسلمین"

ملتہ ابراہیم کے قیام، اس کی وحدت، اس کی بقا و استحکام کی جنگ لڑئے، پھر آپ دشمن کو شکست دے سکتے ہیں۔

"ولا تتفرقوا فیہ"

اور آپس میں ٹوٹ پھوٹ چھوڑ دیجئے۔ اللہ مجھے اور آپ کو اس نعمت سے سرفراز ہونے کی توفیق عطاء فرمائے۔ آپ کو اور تمام دنیا میں پھیلے ہوئے مسلمانوں کو جو مختلف نظام ہائے ریاست میں جکڑے ہوئے ہیں اللہ ان کو اس چنگل سے، اس گندگی سے، اس لعنت سے، اس نجاست سے اور اس شرک کے ڈھیر سے نکالے۔ اور ان کو جس

طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے غلاظت کے گڑھے سے نکال کر تخت پر بٹھا دیا تھا۔ شرافت کے تخت پر، ایمان کے تخت پر، اعتقاد کے تخت پر، عمل کے تخت پر، خدا ہمیں پھر اس تخت کا وارث بنائے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین

آپ کے عطیات

محاسبہ مرزائیت و رافضیت کی جدوجہد کو تیز کرنے کے لئے اپنی زکوٰۃ، صدقات اور عطیات اپنی جماعت مجلسِ احرار اسلام کو دیجئے۔

بذریعہ منی آرڈر: سید عطاء المحسن بخاری مدظلہ، دار بنی ہاشم، مہربان کالونی ملتان

بذریعہ بنک ڈرافٹ یا چیک: اکاؤنٹ نمبر ۲۹۹۳۲ حبیب بنک حسین آگاہی۔ ملتان۔

عالمی دہشت گردوں کے نام

(عراق، فلسطین اور بوسنیا کے پس منظر میں)

آج تمہاری خونخواری پر حیرت ہے حیوانوں کو
تم تو کل تہذیب سکھانے نکلے تھے انسانوں کو

کیسا شوق چرایا تم کو شہوں کی بربادی کا
جگہ جگہ آباد کیا ہے تم نے قبرستانوں کو

تم نے تو سچائی کو مترادف سمجھا لاٹھی کا
عین ترازو جان لیا ہے تم نے تیر کمانوں کو

ہنستے بستے قریے تم نے شعلوں میں کفنائے ہیں
ریت میں دفن کیا ہے تم نے کتنے نخلستانوں کو

تم وہ ہیرو جن کے ستم پر ہیروشیما رویا ہے
شیوۂ خوں آشام تمہارا شرمائے شیطانوں کو

زنداں زنداں بھیڑ لگائی بے تقصیر اسیروں کی
مقتل میں تبدیل کیا ہے تم نے پھر زندانوں کو

کتنے ہی معصوم سروں سے تم نے چھاؤں چھینی ہے
کتنا دکھ پہنچایا تم نے ننھی ننھی جانوں کو

اتنے بھی سفاک منافق دنیا نے کب دیکھے تھے
کتوں کا منہ چومنے والے قتل کریں انسانوں کو

ظلم و ستم کی خونی شب کا منظر بجھنے والا ہے
اک عنوان فراہم ہوگا عبرت کے افسانوں کو

انکے سروں پر آن کھڑی ہے کڑی گھڑی غرقابی کی
سیل زماں اب لے ہی چلا فرعونوں کو ہامانوں کو

باطل کا بے ہنگم غوغا کوئی دم کا مہماں ہے
کوئی شور دبا نہیں سکتا مست الست اذانوں کو

انور مسعود

محترم شاہ بلیغ الدین

جنگِ یمامہ

عقیدۂ ختمِ نبوت کے تحفظ کیلئے اولین جہاد کرنے والے صحابہ کرام

حضور اکرم ﷺ کی رحلت کے ساتھ ہی جو سب سے بڑا فتنہ اٹھ کھڑا ہوا وہ اسلام لا کر پلٹ جانے والوں کا فتنہ تھا۔ ان میں بنو حنیفہ سب سے آگے آگے تھے۔ اُن کی تعداد بھی زیادہ تھی اور اُن کے پاس مال و اسباب بھی خوب تھا۔ اس لئے سارے عرب میں مرتدین کی کوئی بغاوت اتنی خطرناک نہیں تھی جتنی مسیلمہ کذاب کی۔ جب حضرت عکرمہ اور حضرت شرجیل بن حسنہ رضی اللہ عنہما سے کام نہ بنا تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو خاص طور پر اس مہم کے لئے نامزد فرمایا۔ احتیاط کا یہ تقاضا تھا کہ اسلامی لشکر کی حفاظت کا زیادہ سے زیادہ سامان کیا جائے چنانچہ حضرت سلیط رضی اللہ عنہ (۱) کو بھی کمک دے کر روانہ کیا گیا۔ انہیں حکم ملا کہ:

"خالد کے لشکر کے پیچھے پیچھے رہو اور پوری طرح چوکس تا کہ دشمن مسلمانوں کے پیچھے سے حملہ نہ کر سکے (۲)۔

وادیٔ ریاض میں عقرباء کے مقام پر مسیلمہ اور حضرت خالد کا مقابلہ ہوا۔ اہلِ یمامہ کے پاس بہترین ہتھیار تھے۔ جس میدانِ جنگ کا انہوں نے انتخاب کیا تھا اس کے چپے چپے سے وہ خوب واقف تھے۔ ان کے مورچے بنے ہوئے تھے اور انہیں معلوم تھا کہ مسلمانوں کو گھیرے میں لینے کے لئے کس طرف دھکیلنا بہتر ہوگا۔ (۳)

حضرت خالد نے بُطاح کے مقام پر کچھ دیر رک کر اپنی فوج کا معائنہ کیا۔ کچھ ہدایات دیئے اور آگے بڑھ گئے۔ (۴)

مسیلمہ کا ایک ہراول دستہ جو شبخون مارنے نکلا تھا یمامہ کی گھاٹی کے پاس پکڑا گیا۔ اس جھڑپ میں مُجاعہ مسلمانوں کے ہاتھ آیا جسے چھڑانے کے لئے اہلِ یمامہ بڑے بیقرار تھے۔

مسلمانوں کا علم عبداللہ بن حفص کے پاس تھا ادھر زید بن خطاب اور ابو حذیفہ بڑھ بڑھ کر مسلمانوں کو لڑا رہے تھے (۵) ادھر محکم اور رجال مسیلمہ کے دو بڑے جنرل اپنا سارا زور اس بات پر صرف کر رہے تھے کہ ان کی فوجیں جلد سے جلد حضرت خالد بن ولید کے خیمے تک پہنچ جائیں کیونکہ مُجاعہ یہیں قید تھا۔ (۶) مسیلمہ کا حکم تھا کہ:

"یمامہ کے اس سردار کو بہر صورت مسلمانوں کی قید سے چھڑا لایا جائے"۔

لڑائی زوروں پر تھی کبھی مسلمان اہلِ یمامہ پر بھاری نظر آتے کبھی مسیلمہ کی فوج مسلمانوں کو ان کے خیموں تک دھکیل دیتی۔ ایک ایسے ہی معرکے میں دشمن حضرت خالد بن ولید کے خیمے تک پہنچ گئے۔ مُجاعہ ان کی آنکھوں کے سامنے تھا۔ چاہتے تھے اس کی رسیاں کاٹ کر چھڑا لے جائیں کہ حضرت خالد اس موقع پر پہنچ گئے۔ خالد سیف اللہ تھے۔ اہلِ یمامہ ان کے نام سے ہی خوف کھاتے تھے۔ جب انہوں نے کا نعرہ توحید لگایا تو دشمن کچھ ایسے گھبرائے کہ مُجاعہ کو چھوڑ پیچھے ہٹ گئے۔ بس دشمن کی یہ جھجک حضرت خالد کے لئے کافی تھی۔ زید بن خطاب، ثابت بن قیس، ابو حذیفہ، براء اور ابو دجانہ رضی اللہ عنہم کو لے کر انہوں نے جوابی حملہ کیا اور اس زور و شور سے کہ

دشمن دبنے لگا۔ جان یا آن کا معاملہ تھا۔ اللہ کے سپاہیوں نے بڑھ چڑھ کر جان کی بازی لگا دی۔ ثابت بن قیس پکارے کہ: "مسلمانو! تم اللہ والے ہو اور یہ شیطان کے پیرو۔ غلبہ اللہ والوں کے لئے ہے آؤ (۷) میرے ساتھ دیکھو میں کیسا لڑتا ہوں! اور مسلمانوں نے دیکھا کہ اللہ کا یہ سپاہی یوں دشمنوں پر ٹوٹ پڑا جیسے بجلی ٹوٹتی ہے۔"

ادھر ابو حذیفہ چلائے کہ: "اے قرآن والو! اپنے عمل سے قرآن کو زینت دو"۔ اور اپنے عمل سے قرآن کو زینت دینے کے لئے جان کی بازی لگا دی۔ بنو حنیفہ کے ایک بہت بڑے گروہ نے انہیں گھیر لیا یہاں کیا دیر تھی۔ چاروں طرف تلوار مارتے تھے۔ پھر کر جب بھی پینترا بدلتے دشمن دہشت سے گر پڑتے۔ یوں اسلامی لشکر ان جیالوں کی قوت بازو کے بل پر آہستہ آہستہ بڑھنے لگا لیکن بڑی بھاری قیمت پر ابو حذیفہ شہید ہوئے۔ زید بن خطاب شہید ہوئے۔ عبداللہ بن حفص شہید ہوئے۔

اب حضرت خالد نے اعلان کیا کہ: "ہر قبیلہ الگ الگ ہو کر لڑے دیکھیں آج کون دشمن پر پہلے قابو پاتا ہے"۔

جنگ کی بھٹی بُری طرح سلگ گئی اور مسلمانوں نے دشمن کو تلوار کی نوک پر دھر لیا۔(۸) ایسے کہ بنو حنیفہ کا کس بل جواب دے گیا۔

حضرت خالد نے دیکھا جنگ کا پانسہ پلٹ رہا ہے تو اپنے خاص دستے کو حکم دیا کہ: "تیزی سے میرے ساتھ آگے بڑھو! دیکھتے رہنا کہ کوئی مجھ پر پیچھے سے وار نہ کرے"!

اور اب جو سیف اللہ کے جوہر کھلے تو دشمن مبہوت ہو گیا۔ خالد دائیں بائیں ہاتھ چلاتے آندھی کی طرح آگے بڑھے۔ زبان پر رجز جاری تھا کہ: "میں سرداروں کا فرزند ہوں۔ مقابل پر جب میری تلوار اٹھتی ہے خون فشاں ہو جاتی ہے"۔

وہ چاہتے تھے جنگ جلد سے جلد ختم ہو جائے۔ اس کی ایک ہی صورت تھی کہ مسیلمہ کا خاتمہ کر دیا جائے۔ اپنے مٹھی بھر ساتھیوں کو لے کر خالد دشمن کے قلب۔ لشکر پر ٹوٹ پڑے۔ دیکھا مسیلمہ گھوڑے پر سوار اپنے فدائیوں میں گھرا ہوا ہے تو انہوں نے اس کے جاں نثاروں کا حلقہ توڑا اور مسیلمہ کو للکارا۔ یہ سب کچھ اس قدر تیزی سے ہوا کہ مسیلمہ کے حواری سنبھل نہ سکے۔ حضرت خالد نے دیکھا کہ ایک چھوٹے سے قد، (۹) پیلی رنگت اور عورتوں کے سے ناک نقشے کا آدمی سامنے ہے تو پکارے: "مسیلمہ! آجا دو دو ہاتھ ہو جائیں"!

مسیلمہ نے دیکھا خالد کی تلوار ہوا میں لہرا رہی ہے تو سمجھ گیا موت سر پر کھیل رہی ہے۔ (۱۰) چاہتا تھا صلح کی کچھ شرائط پر بات چیت کرے کہ حضرت خالد اس پر جھپٹ پڑے۔ مسیلمہ اور اس کے ساتھی جان بچا کر بھاگے۔ حکم چلایا کہ: "باغ میں گھس جاؤ، باغ میں"!

بنو حنیفہ پاس کے ایک باغ میں گھس گئے اور دروازہ بند کر لیا۔

حضرت براء اور حضرت ابو دُجانہ یہ دیکھ کر فصیل پر چڑھ گئے اور باغ میں کود پڑے۔ (۱۱) دشمنوں کے بیچ میں! موت کے منہ میں! اللہ رے جگر داری دشمن بھی دنگ ہو گئے۔ بڑا گھمسان کا رن پڑا۔

مسلمانوں نے اپنے ساتھیوں کی یہ جرأت اور ہمت دیکھی تو ان کے دل بڑھ گئے۔ خود بھی باغ میں کود پڑے

اور اب جو میدان جنگ گرم ہوا تو مسلمانوں کی تلواروں سے خون ٹپکتا تھا۔ آخر بنو حنیفہ نے ہتھیار ڈال دیئے۔ وہ باغ جس میں یہ لوگ جان بچا کر گھس گئے تھے بعد میں حدیقۃ الموت کہلایا۔ (۱۲) یہیں محکم کو حضرت عبدالرحمن بن ابوبکر نے قتل کیا اور مسیلمہ حضرت وحشی کے ہاتھوں مارا گیا۔ وحشی اس لڑائی میں خاص طور پر اس لئے شریک ہوئے تھے کہ مسیلمہ کو مار کر حضرت حمزہ کو شہید کرنے کا کفارہ ادا کریں۔ (۱۳)

جنگ ختم ہوئی تو یمامہ کے ہر گھر میں صف ماتم بچھ گئی۔ ان کے اکیس ہزار آدمی مارے گئے تھے۔ نصف سے زیادہ لشکر! (۱۴) مسلمانوں نے پھر ایک بار ثابت کر دکھایا کہ قوت ایمانی کے آگے نہ تعداد کی کثرت کوئی چیز ہے نہ تیغ و سناں کی بہتات کوئی چیز۔

حاشیے۔

۱۔ حضرت سلیط حضرت اسعد بن زرارہ کے بھانجے تھے۔ حضرت اسعد وہی تھے جنہوں نے مدینتہ النبی میں سب سے پہلے نماز جمعہ کا انتظام کیا۔

سلیط عہد نبوی ﷺ کی تمام مہموں میں شریک رہے۔ وہی ہوذہ بن علی والیٔ یمامہ کے پاس حضور رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نامۂ مبارک لے گئے تھے جس میں ہوذہ کو ایمان لے آنے کی دعوت دی گئی تھی۔ اس نے بڑی سرد مہری دکھلائی تھی۔ یمامہ کے دارالحکومت الحجر میں مسیلمہ رہتا تھا (موجودہ ریاض کے پاس)

حضرت سلیط واقعۂ جسر میں فرات کے پل کے پاس شہید ہوئے۔

۲۔ تاریخ طبری۔

۳۔ اپنے پسندیدہ محاذ پر لڑنا ایک ایسی برتری ہے جس پر لڑائی کے نتائج کا بڑا انحصار ہوتا ہے۔ مسیلمہ کو اس لڑائی میں یہ برتری حاصل تھی۔ اس کے پاس افرادی قوت بھی زیادہ تھی اور مسلمانوں کے مقابلے میں اس کی مالی حیثیت بھی بڑی مستحکم تھی۔ اس لئے ہتھیار اور رسد کی طرف سے اسے بے فکری حاصل تھی۔ ارتداد کے فتنے اور زکوٰۃ ادا کرنے سے انکار کر کے مدینہ سے باہر کے مسلمانوں نے اسلامی مملکت کے مالیاتی نظام کو سخت نقصان پہنچایا تھا۔ اس کے باوجود حضرت خالد نے لڑائی کا نقشہ اس طرح جمایا کہ دشمن اپنے دفاع کی ہر چال میں مات کھا گیا۔ مسلمانوں کو اس وقت سب سے بڑی طمانیت یہ تھی کہ وہ اللہ کی زمین پر فساد کے ایک بڑے مرکز کا خاتمہ کرنے اور کمزور عورتوں بچوں اور مردوں کو قرآن کے حکم کے مطابق بچانے نکلے تھے۔

۴۔ بطاح میں رک کر کمکی فوج کا انتظار کیا گیا تھا۔ اس کے آجانے کے بعد کوچ ہوا۔ یہ کمک حضرت سلیط لے کے آئے تھے۔

۵۔ دونوں مہاجرین کے دستوں کے سالار تھے۔ انصار کی کمان ثابت بن قیس کے ہاتھوں میں تھی۔

۶۔ وہ مسلمانوں کے ایک دستے سے جو بنو عامر پر مشتمل تھا اپنی پرانی رنجشوں کا بدلہ لینے نکلا تھا۔

۷۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: "میں سو رہا تھا تو میں نے دیکھا کہ میرے ہاتھ میں سونے کے دو کنگن رکھے ہیں۔ میں گھبرا گیا اور وہ مجھے پسند نہ آئے تو مجھے حکم ہوا کہ میں ان

پر پھونک ماروں میں نے پھونک ماری تو وہ اُڑ گئے۔

تعبیر اس کی یہ تھی کہ دو جھوٹے نبی نکلیں گے اور مارے جائیں گے۔ ایک اسود عنسی تھا جسے فیروز نے یمن میں قتل کیا دوسرا مسیلمہ کذاب تھا۔ (بخاری)

۸۔ جنگ کا پانسہ پلٹنے میں مجموعی طور پر بدری صحابہ کا زیادہ ہاتھ تھا۔

اس مہم کے لئے جب لشکر مرتب کیا جانے لگا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بطور خاص ایسے مجاہدوں کی بھرتی کی جو زیادہ سے زیادہ دین کی باتیں جانتے تھے۔ حافظوں اور قاریوں کی بڑی تعداد اس لڑائی میں شریک ہوئی تھی۔

۹۔ طبری۔ پست قد، زرد رُو اور نکٹا (ابن اثیر)

۱۰۔ حضرت خالد نے اسے انفرادی لڑائی کے لئے للکارا تھا۔ وہ مقابلے کے لئے نکلا تو لیکن صلح کی شرائط پر گفتگو کرتے کرتے حضرت خالد کی جست و خیز دیکھ کر اپنی جان بچا کر بھاگا اور لڑائی اب آخری مرحلے میں داخل ہو گئی۔

حضرت خالد نے جنگ کا پانسہ پلٹنے کے لئے تین تدبیریں اختیار کیں:۔

(ا)۔ قبیلہ داری بنیاد پر صف بندی کر کے مجاہدوں کے جذبات کو ابھارا۔

(ب)۔ خود مبارزت طلب کر کے اپنے ساتھیوں کی ہمت بڑھائی اور دشمن کے نبرد آزماؤں کو قتل کیا۔ اپنے بہادروں کو مارے جاتے دیکھ کر بنو حنیفہ کا حوصلہ گر گیا۔

(ج)۔ تیز و تند جارحانہ اقدام، جس کی وجہ سے دشمن باغ میں قلعہ بند ہونے کے باوجود بچ نہ سکا۔

۱۱۔ طبری (قوم یمامہ کے واقعات۔ براء بن مالک) ابن اثیر (خلافتِ راشدہ۔ جنگ یمامہ۔ براء بن مالک) اُسد الغابہ (جلد دوم صفحہ ۳۵۳ ابو دُجانہ)

۱۲۔ فتوح البلدان۔

مسلمانوں نے باغ کا دروازہ کھول دیا تھا اسکے بعد جو رن پڑا وہ یمامہ والوں کے لئے قیامت خیز ثابت ہوا۔

۱۳۔ بخاری (باب مغازی)

۱۴۔ چھے سو ساٹھ مسلمان شہید ہوئے (ابن اثیر)

مسلمانوں کا سب سے بڑا نقصان یہ ہوا تھا کہ لڑائی میں ستر حفاظ اور قاری شہید ہوئے۔

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ اسی سانحے کے بعد کلام اللہ کتابی صورت میں جمع کیا گیا۔ یہ خیال حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ذہن میں آیا۔ (ابو داؤد۔ بخاری)

ڈوزی نے لکھا ہے باغ موت میں دس ہزار مرتدین مارے گئے۔ یہ جملہ مقتولین کی تعداد نہیں ہے۔

مرتدین کے بارے میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ جو احکامات تھے اس میں ڈوزی نے تحریف کی ہے اور لکھا ہے کہ مرتدین کو تلوار سے آگ سے اذیت دے کر بے رحمی سے ہلاک کیا جائے۔

تاریخ مسلمانانِ اسپین کتاب اول فصل دوم۔

اسلام اذیت سے ہلاک کرنے کو سخت منع کرتا ہے حضرت ابوبکر نے ایسا کوئی حکم نہیں دیا تھا۔

حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب رحمہ اللہ

نعت

نبی اکرم شفیع اعظم دکھے دلوں کا پیام لے لو
تمام دنیا کے ہم ستائے کھڑے ہوئے ہیں سلام لے لو
شکستہ کشتی ہے تیز دھارا نظر سے روپوش ہے کنارا
نہیں کوئی ناخدا ہمارا خبر تو عالی مقام لے لو
عجیب مشکل میں کارواں ہے نہ کوئی جادہ نہ پاسباں ہے
بہ شکل رہبر چھپے ہیں رہزن اُٹھو ذرا انتقام لے لو
قدم قدم پہ ہے خوف رہزن، زمین بھی دشمن فلک بھی دشمن
زمانہ ہم سے ہوا ہے بدظن تمہیں محبت سے کام لے لو
کبھی تقاضا وفا کا ہم سے کبھی مذاقِ جفا ہے ہم سے
تمام دنیا خفا ہے ہم سے خبر تو خیرالانام لے لو
یہ کیسی منزل پہ آ گئے ہیں نہ کوئی اپنا نہ ہم کسی کے
تم اپنے دامن میں آج آقا تمام اپنے غلام لے لو
یہ دل میں ارماں ہے اپنے طیب مزارِ اقدس پہ جا کے اک دن
سناؤں ان کو پیام دل کا کھوں میں اُن سے سلام لے لو

قسط اوّل

حکیم محمود احمد ظفر سیالکوٹ

ہندوستان میں عیسائیت کی یلغار

یورپ کی صلیبی طاقتوں کو جب شام، فلسطین اور مصر وغیرہ میں اہلِ اسلام کے ہاتھوں شکست فاش ہوئی تو انہوں نے اب یہ پلان بنایا کہ مشرقی ممالک میں ایک ایسی عیسائی حکومت قائم کی جائے جو طاقت کے بل پر مسلمانوں سے مقامات مقدسہ چھین لے۔ دوسری طرف پرتگالی حکمران ہنری (۱۳۹۴-۱۴۶۰ء) نے عیسائی مبلغین کو ایک پیغام بھیجا جس میں ایک چیز یہ بھی تھی کہ غیر مسلم ملکوں پر اسلامی فوجوں کی یورش پر پابندی لگا دی جائے۔ یہ ہنری وہی حکمران ہے جس کے باپ یوحنا نے مسلمانوں کو اسپین سے نکالنے میں بنیادی کردار ادا کیا تھا۔ اس شخص کے دل میں مسلمانوں کے خلاف ایک خاص نفرت بھری ہوئی تھی۔ وہ چاہتا تھا کہ دینِ اسلام کو تباہ و برباد کر کے مسلمانوں کا صفحۂ ہستی سے نام و نشان مٹا دیا جائے اور پوری دنیا میں مسیحی مذہب کا پھریرا لہرایا جائے۔

اس شخص کے عزائم یہ تھے کہ اسپین سے مسلمانوں کے اخراج کے بعد اب ہندوستان کا رخ کیا جائے اور اس وسیع و عریض ملک کو بھی سرزمین اندلس کی طرح مسیحت کے دائرہ میں داخل کر لیا جائے۔ اپنے اس مقصد کی تکمیل کے لئے اس نے ۱۴۱۷ء میں "یسوع مسیح کے مجاہدین" کے نام سے ایک تبلیغی دستے کی تشکیل کی اور انہیں خطیر رقمیں دے کر افریقہ اور ایشیاء کے ملکوں کو روانہ کیا تاکہ ان ملکوں میں عیسائی تبلیغ کے میدان کو وسیع کیا جائے اور زیادہ سے زیادہ لوگوں کو دینِ مسیحی میں داخل کیا جائے۔

(عبد المنعم النمر: تاریخ الاسلام فی الھند ص ۳۳۳، بانیکار: آسیا و السیطرۃ الغربیۃ ص ۷۴-۷۶)

پاپائے روم نیکولس پنجم نے ۱۴۵۴ء میں اپنے ایک پیغام میں کہا کہ:-

"ہمیں اس بات کی انتہائی خوشی ہے کہ ہمارے بیٹے ہنری بادشاہ پرتگال نے اپنے والد کے نقشِ قدم پر چل کر وہ کام کرنا شروع کیا ہے جو اس کے والد نے (مسلمانوں کو سرزمینِ اندلس سے نکال کر) کیا تھا۔ یہ سب کچھ وہ اس غیرت اور بہادری کے باعث کر رہا ہے جو مسیح کے ایک سپاہی کے اندر ہونی چاہیئے۔ اس نے اللہ کے نام کے ساتھ دور و نزدیک شہروں میں اپنے لوگوں کو بھیجنا شروع کیا ہے جو مسیح کے دشمنوں کو سبق سکھائیں"۔

(بانیکار: آسیا و السیطرۃ الغربیۃ ص ۷۳)

اس سلسلہ میں ایک وفد ہندوستان بھی آیا۔ اس نے مختلف مقامات کا دورہ کر کے واپسی پر شاہ پرتگال کو رپورٹ دی کہ فوجی، سیاسی، تجارتی اور دینی میدانوں میں وہاں کامیابی کے غیر معمولی امکانات ہیں۔ اس رپورٹ کا جائزہ لینے کے بعد ہندوستان کے ساحلی علاقوں گوا، دمن، کلکتہ، اور مالابار میں پرتگالیوں نے سب سے پہلے تجارتی دفاتر قائم کیے۔ اس کے بعد ان لوگوں نے تجارت کے پردہ میں اپنے اصل مشن کا آغاز کر دیا۔ چنانچہ ان ساحلی علاقوں میں لبنان اور شام کے عیسائیوں کی ایک بہت بڑی تعداد کو لا کر آباد کیا گیا جو تجارت کے پردے میں عیسائی دعوت کے کاموں میں بڑی مہارت اور تجربہ رکھتے تھے۔

ان لوگوں نے وہاں آباد ہوتے ہی وہاں کی غیر مسلم آبادی پر اپنا حربہ آزمایا جو غیر معمولی طور پر کامیاب

رہا۔ ایک طرف تو ان لوگوں نے وہاں کی غیر مسلم آبادی کو عیسائی بنانا شروع کر دیا اور دوسری طرف ان ساحلی علاقوں پر انہوں نے قبضہ کر کے پرتگال کے ساتھ تجارتی تعلقات کو مزید مستحکم اور مضبوط کر لیا جو آگے چل کر عیسائیوں کے لئے فوجی اور اقتصادی لحاظ سے بڑا مفید ثابت ہوا۔

تاریخ کے رپوٹرز بتاتے ہیں کہ عیسائی پادریوں نے کافی زمانے تک اس بات کی کوشش کی کہ مغل عیسائیت قبول کرلیں۔ لیکن جب وہ حلقہ بگوش اسلام ہو گئے اور اسلام کے شیدائی ہو گئے تو پادریوں کی امیدوں پر اوس پڑ گئی۔ اب مغربی استعمار نے مشرق میں لوگوں کو عیسائیت قبول کرنے کی ترغیب دینی شروع کر دی۔ اور دین کے ذریعہ مشرقی ممالک میں اپنا اثر و نفوذ کرنا شروع کر دیا۔ اسی مقصد کے لئے وہ ساری صلیبی جنگیں لڑی گئیں۔

(التبشیر والاستعمار فی البلاد العربیۃ ص ۱۱۵)

پرتگالیوں نے مغل شہنشاہ جلال الدین محمد اکبر کے دربار میں مختلف اوقات میں تین وفود بھیجے۔ اکبر نے ان وفود کا نہایت گرمجوشی سے خیر مقدم کیا۔ پہلے وفد کے ارکان نے شہنشاہ اکبر سے آگرہ میں ایک گرجا گھر کے قیام کی درخواست کی۔ بادشاہ نے عواقب سے ناواقف ہونے کی وجہ سے انہیں آگرہ میں ایک گرجا گھر کے قیام کی اجازت دے دی۔ نہ صرف اجازت دی بلکہ اس کے ساتھ شہزادہ سلیم کو تربیت کے لئے ان عیسائی پادریوں کے حوالے کر دیا۔ تین سال تک یہ عیسائی وفد اکبر اعظم کے پاس اس امید میں مقیم رہا کہ شاید بادشاہ عیسائی مذہب اختیار کر لے۔ کیونکہ وہ اندر ہی اندر کچھ ایسے حربے اختیار کر رہے تھے جن کی وجہ سے انہیں قوی امید تھی کہ جلد ہی شہنشاہ اکبر دین عیسوی قبول کر لے گا۔ لیکن ۱۵۸۳ء میں یہ وفد ناکام و نامراد واپس گیا۔ کیونکہ اکبر نے دین عیسوی قبول نہ کیا۔ دوسری طرف شہزادہ سلیم پر تین سال کی تربیت کے باوجود یہ عیسائی اثر انداز نہ ہو سکے۔ اس وجہ سے انہیں اپنے مقاصد مکروہہ میں کامیابی حاصل نہ ہوئی۔

اس وفد کے بے نیل و مرام واپس جانے کے بعد اسی طرح کا ایک دوسرا وفد اسی غرض کے تحت ۱۵۹۰ء میں دربارِ اکبری میں حاضر ہوا۔ یہ وفد بھی ۱۵۹۴ء میں اسی طرح نامراد واپس چلا گیا۔ جب پرتگالیوں کو اپنی ناکامی کا احساس ہوا تو انہوں نے پھر تیسرا وفد دربارِ اکبری میں روانہ کیا جس نے لاہور اور آگرہ میں گرجا گھروں کی تعمیر کی اجازت اور سہولت حاصل کر لی۔ جس کی وجہ سے آگے چل کر بہت سی مشکلات پیش آئیں۔ اور ہندوستان کی تاریخ کا رخ اکبر کی اس چھوٹی سے غلطی کی وجہ سے تبدیل ہو گیا۔

(جمال الدین الشیال: تاریخ دولتہ اباطرہ المغول الاسلامیہ فی الہند ص ۹۲)

شہنشاہ اکبر ہو یا کوئی اور مغل بادشاہ، یہ حضرات اپنی شاہ خرچیوں اور غیر ضروری سخاوتوں کی وجہ سے ملت اسلامیہ کو بعض مرتبہ ایسی مشکلات میں ڈال کر گئے ہیں جن کا خمیازہ اہلِ اسلام آج تک بھگت رہے ہیں۔ ان سخاوتوں اور نوازشوں میں اکبرِ اعظم کی ایک نوازش یہ بھی تھی کہ پرتگالیوں نے تجارت کے نام پر گوا اور دوسرے ساحلی علاقوں میں اپنے سیاسی اور تبلیغی اڈے قائم کئے جن میں مسلمانوں اور ہندوؤں کو عیسائی بنانے کی کوششیں کی جاتیں تاکہ عیسائیوں کی آبادی میں اضافہ کیا جائے۔ چنانچہ پرتگالیوں نے بہت سی جگہوں پر اسلامی سرحدوں میں مداخلت شروع کر دی۔ اور حکومت کے داخلی معاملات میں بھی مداخلت شروع کر دی۔ تجارت کے پردے میں وہاں کے

لوگوں کو قید کر کے یورپ کی منڈیوں میں فروخت کرنا شروع کر دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ لوگوں نے تنگ آ کر انہیں تکلیف دینا شروع کر دی۔ اور حکومت کی آنکھیں بھی ان کے ظلم و ستم کو دیکھ کر کھل گئیں۔ چنانچہ گوا کے بڑے پادری نے پرتگال کے بادشاہ سے اس بارے میں شکایت کی۔

(الشرقادی والصیاد: ملامح الهند والباکستان ص ۱۶۳ء

الشبال: تاریخ دولتہ آباطرۃ المغول الاسلامیہ فی الهند ص ۹۴، ص ۱۳۸)

شہزادہ سلیم کے بعد جب اس کا لڑکا شاہجہان سلطنت کے تخت پر بیٹھا اور اسے پرتگالیوں کے اس جور و ستم کا پتہ چلا تو تاریخ کے رپورٹرز بتاتے ہیں کہ اس نے ۱۶۲۷ء مطابق ۱۰۳۸ھ میں بنگال کے حاکم قاسم خان کو حکم دیا کہ عیسائیوں کے مراکز پر قبضہ کر کے ان کی اینٹ سے اینٹ بجا دی جائے تاکہ عوام الناس ان کے شرور و فتن اور ظلم و ستم سے نجات پا سکیں۔ بادشاہ کے اس حکم کا ملنا تھا کہ گورنر بنگال قاسم خان نے ہوگلی وغیرہ میں عیسائیوں کے مستحکم اور مضبوط قلعوں کو شاہ جہانی فوج کے ذریعہ سے زمین بوس کر دیا اور بادشاہ کے حکم کے مطابق واقعی ان کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔

ان خونریز معرکوں میں قریباً دس ہزار عیسائی مارے گئے اور چار ہزار کے قریب پا بجولاں ہوئے۔ نیز ان دس ہزار ہندوستانیوں کو بھی پرتگالیوں کے قبضہ سے رہا کر دیا گیا جنہیں اس مقصد کے لئے جہاز میں قید کر کے رکھا گیا تھا تاکہ انہیں یورپ کی منڈیوں میں غلام کی حیثیت سے فروخت کر دیا جائے۔

لوگوں کو عیسائی بنانے کا پرتگالیوں کو اس قدر جنون تھا کہ وہ آزاد لوگوں کو غلام بنا کر فروخت کرنے سے بھی نہیں چوکتے تھے تاکہ ان غلاموں کو ان کے آقا عیسائی بنا سکیں۔ کاش ہندوستان کے مسلمان بادشاہ لوگوں کو مسلمان بنانے کیلئے اس کے برعکس مثبت کوششیں کرتے تو آج ہندوستان کا نقشہ اس سے مختلف ہوتا۔ وہ مسلمان بادشاہ مفت میں بدنام بھی ہو گئے اور اسلام کی تبلیغ و اشاعت کے لئے انہوں نے کچھ بھی نہ کیا۔ کاش! پرتگالیوں کی مذہب کے بارے میں اس قسم کی کارروائیوں کو دیکھ کر ان کی آنکھیں کھلتیں۔

شاہ جہان کے بعد جب اس کا لڑکا اورنگ زیب عالمگیر ہندوستان کی سلطنت کے تخت پر بیٹھا تو پرتگالیوں کے ظلم و ستم اس کی نگاہ میں تھے۔ جو انہوں نے اپنے زیر اثر علاقوں کے لوگوں پر کئے تھے۔ چنانچہ اس نے اپنے وقت کے بنگال کے گورنر شائستہ خان کو حکم دیا کہ وہ پرتگالیوں کے رہے سہے مراکز کو بھی نیست و نابود کر دے تاکہ لوگ ہمیشہ کے لئے ان کے ظلم و ستم سے نجات پا جائیں۔ شائستہ خان نے اورنگ زیب کے اس حکم کی تعمیل کی اور پرتگالیوں کی قوت کے خاتمہ کے لئے بھرپور ایکشن لیا۔ اس مہم میں بنگال کے بحری بیڑے کی تین سو کشتیاں بھی کام میں لائی گئیں۔ اس مقصد کی تکمیل کے لئے ولندیزی، فرانسیسی، اور انگریزی کمپنیوں نے بھی حکومت کی بھرپور مدد کی یہاں تک کہ جفنہ کے علاقوں کو پرتگالیوں کی دست برد سے رہا کرا لیا گیا۔ یہ ایکشن ۱۶۵۸ء میں لیا گیا۔ پرتگالیوں کے خلاف ولندیزی، فرانسیسی اور انگریزی کمپنیوں نے اس وجہ سے حکومت کا ساتھ دیا تھا کہ پرتگالیوں نے تجارت پر اپنی اجارہ داری قائم کر رکھی تھی۔ اور یہ بات ان کمپنیوں کو ایک آنکھ نہ بھاتی تھی۔ لہذا انہوں نے موقع غنیمت جانتے ہوئے اپنے ذاتی کینہ کی بناء پر پرتگالیوں کی اجارہ داری ختم کرنے میں حکومت کا ساتھ دیا۔

(الساداتی! تاریخ المسلمین فی شبہ القارۃ الہندیہ جلد ۲ ص ۱۹۳، ۲۱۹۔
الشبال: تاریخ دولۃ اباطرۃ المغول الاسلامیہ فی الہند ص ۱۴۰، ۱۵۷)

۱۴۹۰ء میں جب پرتگالیوں نے ہندوستان کے مغربی ساحل پر قدم رکھا تھا اسی وقت سے عیسائیت کی نشر و اشاعت کے بارے میں ان کی نیتیں طشت از بام ہو گئی تھیں۔ اور ہر شخص یہ جاننے لگا تھا کہ یہ تجارت کے لبادہ میں کیا کچھ کرنا چاہتے ہیں۔ پھر ان کی سرگرمیاں بھی یہ بتاتی تھیں کہ ان کے باطن میں کیا کچھ ہے۔ انہوں نے بہت جلد ہی گوا اور دیگر ساحلی علاقوں پر گرجا گھر قائم کئے اور پانچ کیتھولک پادریوں کی یہ ڈیوٹی لگائی کہ وہ عیسائی مذہب کی اشاعت و تبلیغ میں دن رات ایک کر دیں۔ اس سے پرتگالی حاکموں کے شعور کا بھی پتہ چلتا ہے کہ وہ اپنے عیسائی کیتھولک مذہب کی تبلیغ اور نشر و اشاعت کو اپنی حکومت کے اہم مقاصد میں سے ایک مقصد سمجھتے تھے۔ یہ لوگ ہر گرجا گھر کی تعمیر و تاسیس اور اس کے دوسرے اخراجات باہر سے بھیجنے اور ہر گرجا گھر کو اپنے کلی تسلط کا حق دیتے اور کوشش کرتے کہ ہر گرجا گھر مشرق میں ایک حکومت قائم کرے۔

(بانیکار! آسیا و السیطرۃ الغربیۃ ص ۱۳۲)

جیسا کہ بتایا گیا ہے کہ ۱۴۹۰ء میں پرتگالیوں نے ہندوستانیوں کے ساحلی علاقوں پر قدم رکھتے ہی چین اور گوا میں اپنی دعوتی سرگرمیوں کا آغاز کر دیا تھا۔ اس مقصد کے لئے انہوں نے مختلف یورپی ملکوں سے تعلیم یافتہ، تجربہ کار اور سرگرم مبلغین منگوائے گئے۔ پاپائے روم کی طرف سے ۱۵۳۹ء میں ایک عیسائی کارکن فرانسس زیور کو جس نے پیرس میں تعلیم حاصل کی تھی اور نہایت متعصب کیتھولک عقیدہ کا عیسائی تھا عیسائی مبلغین کے وفد کا سربراہ بنا کر گوا بھیجا گیا۔ اس شخص نے گوا کی سرزمین پر قدم رکھتے ہی عیسائیوں کے تبلیغی مرکز جانے کے بجائے ننگے پاؤں جذامیوں (کوڑھیوں) کے ہسپتال کا رخ کیا۔ وہاں اس نے مریضوں کے قدم چومے۔ ان کے زخم دھوئے اور اس طرح ان کے دل میں پہلے اپنا مقام بنا کر انہیں مسیحیت کی بشارت دی۔ مسیحیت کی تبلیغ کا یہ ایک انوکھا طریقہ تھا جو لوگوں کے جذبات کو اپیل کرتا تھا۔ اس طریقہ سے عیسائیت کے فروغ میں بہت کامیابی ہوئی۔ اور اسی طریقہ کو آج تک عیسائی اپنا رہے ہیں۔ اسی لئے انہوں نے جگہ جگہ ہسپتال اور شفاء خانے کھولے ہوئے ہیں۔

۱۵۴۲ء میں اس بات کی ضرورت محسوس کی گئی کہ مسیحیت کی دعوت کا کام کرنے والوں کی ٹریننگ نہایت ضروری ہے تاکہ دعوت اور تبلیغ کا کام کسی سلیقے سے ہو اور اس کے اثرات بھی جلد ظاہر ہوں۔ چنانچہ اس مقصد کی تکمیل کے لئے "قدیس یونیورسٹی" کے نام سے گوا میں ایک تربیتی مرکز قائم کیا گیا اور ایشیاء کے پورے خطے میں عیسائی مبلغین کے لئے یہ ضروری قرار دیا گیا کہ وہ تبلیغ کے لئے جانے سے پہلے اس یونیورسٹی میں ٹریننگ حاصل کریں۔ اس کے علاوہ جاپان اور چین سے لوگوں کو اغواء کر کے یہاں لایا جاتا اور ان کو عیسائی مبلغوں اور مربیوں کی نگرانی میں زبردستی عیسائی بنایا جاتا۔

اگرچہ یہ طریقہ تبلیغ پہلے سے بہت زیادہ مؤثر ثابت ہوا لیکن فرانسس زیور اس سے کوئی زیادہ مطمئن نہ تھا۔ اس نے اپنے منصوبے کے مطابق تمام عیسائی مبلغین کے لئے یہ ضروری قرار دیا کہ ہندوستان ہی نہیں بلکہ چین و جاپان کے ادیان و مذاہب اور ان ملکوں کے باشندوں کی عقلی و فکری اور سماجی و معاشی حالات کا گہرا مطالعہ کریں اور

ان کی سطح پر اتر کر ان سے ہم آہنگ ہونے کی کوشش کریں۔ ان ملکوں کی زبان سیکھیں اور یہاں کے اطوار و عادات اور رسوم و رواج پر گہری نظر رکھی جائے۔ اس منصوبے نے آگے چل کر عیسائی مبلغین کو خاصا فائدہ پہنچایا۔ کیونکہ یہ تبلیغ کا ایک سائنٹیفک طریقہ تھا۔

(برنارڈ لوئیس: الغرب والشرق الاوسط ص ۴۹)

پرتگالیوں نے ۱۵۳۰ء میں گوا پر قبضہ کیا۔ قبضہ کرتے ہی انہوں نے گوا میں اسپین کی طرز پر ایک ایسی عدالت قائم کر دی جو لوگوں کے عقائد و خیالات کی چھان بین کر کے زبردستی ان کو عیسائیت کے دائرہ میں داخل کرتی۔ جو لوگ عیسائیت میں داخل ہونے سے انکار کرتے ان کے ساتھ انتہائی وحشیانہ سلوک کیا جاتا۔ کسی غیر مسیحی کے لئے یہ ممکن نہ تھا کہ وہ کوچین اور گوا کے علاقوں میں رہ سکے۔ کم سن بچے اور بچیاں بھی ان کے ظلم و ستم سے محفوظ نہ تھیں۔ چنانچہ کم سن بچوں، بچیوں اور یتیم بچوں کو اغواء کر کے عیسائی مراکز میں رکھا جاتا۔ پھر کچھ عرصہ کے بعد انہیں پرتگال کی راجدھانی لشبونہ بھیج دیا جاتا۔ جہاں انہیں باقاعدہ عیسائی بنانے کا کام شروع کر دیا جاتا۔ اور اگر وہ نرم طریقے سے عیسائی نہ ہوتا تو پھر ہر سخت سے سخت طریقہ سے اسے عیسائی بنانے کے لئے آزمایا جاتا۔ چنانچہ ان صغیر السن اور یتیم بچوں کو عیسائی بنانے کے لئے بڑے بڑے بھیانک طریقے اختیار کئے گئے۔

(تاریخ المسلمین فی شبہ القارۃ الہندیہ جلد ۲ ص ۱۹۱)

تاریخ کے رپورٹر بتاتے ہیں کہ گوا کے صرف ایک علاقے سے تین سال کے قلیل عرصہ میں چھ ہزار ایسے بچے اغواء کر کے لشبونہ بھجوائے گئے جن کی عمر ابھی چودہ سال نہیں ہوئی تھی۔

(صور من الاستعمار ص ۶۷-۶۹)

ان لوگوں کے سروں میں لوگوں کو عیسائی بنانے کا ایسا بھوت سوار تھا کہ ان کے ہاتھ جو بھی لگتا یہ لوگ اسے عیسائی بنانے کے لئے لشبونہ بھیج دیتے۔ چنانچہ ان لوگوں نے ممتاز محل کی دو خادماؤں کو اغواء کیا اور کچھ عرصہ پاس رکھنے کے بعد انہیں بھی لشبونہ بھیج دیا۔

(السادات: تاریخ المسلمین فی شبہ القارۃ الہندیۃ جلد ۲ ص ۱۹۱)

ان لوگوں نے بچوں کو اغواء کر کے عیسائی بنانے کی مہم کو بڑا کامیاب سمجھا۔ چنانچہ اس کو مزید کامیاب بنانے کے لئے انہوں نے کچھ عرصہ کے بعد لشبونہ سے مزید فوج گوا اور کوچین اس مقصد کے لئے بھیجی تاکہ دیہاتوں اور شہروں سے بچوں کو زبردستی اغواء کیا جائے اور اگر کسی صورت ان کے اغواء میں ناکامی ہو یا ان کے اغواء میں کوئی مزاحمت ہو تو شہروں اور دیہاتوں کے غریب اور فاقہ کش لوگوں سے ان کے بچے اونے پونے میں خرید لئے جائیں۔ چنانچہ صرف ایک سال یعنی ۱۵۴۸ء میں دس ہزار اور ۱۵۶۰ء میں تیرہ ہزار بانوے ہندوؤں کو زبردستی عیسائی بنا لیا گیا۔ ہر سال اس تعداد میں کچھ اضافہ ہوتا رہا۔ چنانچہ ۱۵۷۸ء تک زبردستی عیسائی بنائے جانے والے لوگوں کی تعداد ایک لاکھ سے بھی زیادہ ہو گئی۔

۱۵۸۸ء میں ایک نو مسیحی پرسورام جوشی عیسائیت کی تعلیم لینے کے بعد پادری کے منصب پر فائز کیا گیا۔ اس کے بعد مزید نو ہزار چار سو ہندو پنڈتوں کو عیسائی بنا کر تبلیغ کے لئے چین اور جاپان بھیجا گیا۔

ایک طرف اس زور و شور سے عیسایت کی دعوت کا کام جاری تھا اور لوگوں کو زبردستی مسیحیت کے حلقہ میں داخل کیا جارہا تھا لیکن دوسری طرف ان سب باتوں کے باوجود پرتگالیوں کو اس بات کا احساس تھا کہ یہ طریقہ غلط ہے۔ اور اس طرح انہیں خاطر خواہ کامیابی حاصل نہیں ہو رہی۔ خصوصاً برہمنوں نے ابھی تک معقول تعداد میں عیسائیت کو قبول نہیں کیا تھا اور اگر یہ برہمن لوگ دین مسیحی کو قبول کرلیں تو تمام ہندو ہمارے دین کو قبول کر لیں گے۔

(لکان جمیع الوثینین قد اعتقوا دیننا) چنانچہ پرتگالیوں نے اس مقصد کے حصول کے لئے فوج کا سہارا لیا جس نے مندروں پر دھاوا بول کر ان کی اینٹ سے اینٹ بجادی اور ہندوؤں کو مجبور کر دیا کہ وہ دین مسیحیت کو قبول کر لیں۔ (صور من الاستعمار ص ٦٩)

جب لوگوں کو زبردستی عیسائی بنانے کے جنون میں اور جوش پیدا ہوا تو پرتگالیوں نے مختلف احکامات اور قوانین کے ذریعہ اپنی مقبوضات کو غیر عیسائیوں کے وجود سے یک قلم بے دخل کر دیا۔ مثال کے طور پر ۱۵۵۹ء میں یہ فرمان جاری ہوا کہ تمام پرتگالی مقبوضہ علاقوں میں طبی خدمات صرف اور صرف عیسائی ہی سرانجام دیں گے۔ ایک دوسرے سرکلر کے ذریعہ صرف عیسائیوں ہی کو سرکاری عہدہ کا اہل قرار دیا گیا۔ ایک اور فرمان شاہی میں یہ کہا گیا کہ جو ہندو بچے یتیم ہو جائیں ان کی نگرانی اور تربیت عیسائیوں کے ذمہ ہو گی اور وہی ان کے والی وارث ہوں گے۔

ایک اور سرکلر کے ذریعہ عیسائی پادریوں کو یہ اختیار دے دیا گیا کہ وہ گوا کے تمام علاقوں سے غیر عیسائیوں میں سے جس کو چاہیں بے دخل کر سکتے ہیں۔ ہاں اگر وہ مسیحیت قبول کر لے تو وہ اس قانون سے مستثنیٰ ہو سکتا ہے۔ یعنی یہ قانون اس پر لاگو نہ ہو گا۔ اسی طرح پادریوں کو اس بات کا بھی پورا پورا اختیار دیا گیا کہ جو شخص مسیحیت قبول نہ کرے اس کو زندہ جلادیا جائے یا اس پر اتنا تشدد کیا جائے کہ وہ اس دنیا ہی سے کوچ کر جائے۔

تاریخ کے رپورٹر یہ بتاتے ہیں کہ اس حکم اور تفویض کے مطابق واسکوڈی گاما نے ان سینکڑوں مسلمانوں کو سمندر میں غرق کروا دیا جو حج بیت اللہ کے ارادہ سے جہازوں پر سوار ہو کر حجاز مقدس جانا چاہتے تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان پرتگالی عیسائیوں میں اس قدر مذہبی تعصب تھا کہ وہ کسی غیر مسیحی کو زندہ دیکھنا پسند ہی نہیں کرتے تھے۔ خصوصاً مسلمانوں سے ان کو خاص عداوت تھی کیونکہ وہ ان کو اپنا براہ راست حریف سمجھتے تھے۔ اسی طرح ایک اور پادری البیڈا کے متعلق کتابوں کے اوراق بتاتے ہیں کہ جو مسلمان خواتین عیسائیت قبول نہیں کرتی تھیں وہ ان کی آنکھیں پھوڑ دیتا تھا۔ ایک اور پادری بوکویرک کے بارے میں مشہور تھا کہ وہ مسلمان خواتین کی ناک اور مسلمان مردوں کے ہاتھ کاٹ کر انہیں زندہ جلا دینے میں لذت محسوس کرتا تھا۔ اس ذلیل پادری نے پرتگالی بادشاہ کو ایک خط میں بڑے فخر سے لکھا کہ:

''میں نے شہر میں کسی مسلمان کی عمارت قائم و سالم نہیں رہنے دی۔ جو مسلمان بھی میرے ہاتھ لگ جاتے ہیں میں انہیں زندہ جلادینے کا حکم دیتا ہوں''۔

یہ پادری (بوکویرک) ان مسلمان علماء کو بھی زندہ جلا دیتا تھا۔ جو مسلمانوں کو عیسائیت قبول نہ کرنے کی ترغیب دیتے تھے۔ اس طرح اس ظالم اور ذلیل شخص کے ہاتھوں سینکڑوں علماء زندہ جلائے گئے۔ آگ میں بھونے گئے بلکہ ہزاروں خواتین، بچوں اور بوڑھوں تک کو نذر آتش کیا گیا۔ یہ سفاکی کی ایک بڑی بھیانک مثال تھی اور عیسائی پادریوں کا مذہب کے پردہ میں ظلم و ستم کا ایک زندہ ثبوت۔

(تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو صور من الاستعمار ص ۳۷-۳۸، السادتی: تاریخ المسلمین فی شبہ القارۃ الہندیۃ جلد ا ص ۲۱۱، جلد ۲ ص ۹۷، الموسوعۃ العربیۃ المیسرۃ ص ۵۹۷)

لوہے کی زنجیریں، بندوقوں کی سنگینیں، جیل خانوں کی کوٹھڑیاں، عدالتوں کے کٹہرے اور پھانسی کے پھندے سب کے سب اپنے اپنے کام میں مصروف تھے۔ غلاموں اور آقاؤں، مذہبی پیشواؤں اور ان کے زیردستوں کے درمیان نفرت اور تشدد کے بادل اس تیزی کے ساتھ برسے کے سارا ملک لہو سے داغدار ہو گیا۔ آسمان و زمین کے درمیان خون بے گناہ کی لکیر کھینچ گئی جس کے دونوں جانب پرتگالی قانون کے نخچیر تڑپتے نظر آتے تھے۔ مذہبی رہنماؤں اور ان کے زیردستوں کے درمیان اعتماد کی ساری گرہیں ڈھیلی پڑ گئیں۔ رعایا کے گریبان راعی نے نوچ ڈالے اور قانون کے محافظوں نے قانون کے گریبان کی دھجیاں اڑا دیں۔ اور لوگوں کے جان و مال کی حفاظت کرنے والے اپنے ہاتھوں سے لوگوں کی جان و مال کو ظلم و ستم کے تیشہ سے تباہ و برباد کرنے لگے۔ تاریخ کے اوراق اس واقعہ کو نقل کرتے ہوئے خون کے آنسو روتے ہیں۔ کہ ایک خاص تقریب کے موقع پر جنوبی ہند کے ساحلی شہروں اور دیہاتوں پر بوکویرک کی فوجوں نے مسلمانوں پر اچانک حملہ کر کے ایک دن میں چھ ہزار مسلمان مردوں کو اس طرح تہ تیغ کیا کہ گلیاں اور سڑکیوں خون میں نہا گئیں۔ خود گوا جیسے شہر کی جامع مسجد میں خواتین، بوڑھوں، اور بچوں کو جمع کر کے چاروں طرف سے آگ لگا دی اور یہ سب مسجد میں جل کر راکھ کا ڈھیر ہو گئے۔ پھر بڑے چاؤ کے ساتھ اور داد حاصل کرنے کے لئے یہ سارا واقعہ پرتگالی بادشاہ کو ایک خط میں لکھا گیا کہ:

"میں (بوکویرک) نے اس کے بعد پورے شہر کو جلا کر راکھ کر دیا اور ہر شخص کی گردن پر تلوار رکھ کر اس گردن کو اس کے جسم سے جدا کر دیا۔ اور جہاں کہیں بھی ہم نے کسی مسلمان کو پایا اس کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ ہم نے ایسا کیا کہ چھ ہزار مسلمانوں سے مسجد کو بھر لیا پھر اس کو چاروں طرف سے آگ لگا دی یہاں تک کہ وہ چھ ہزار نفوس جل کر راکھ ہو گئے اور اے میرے آقا! (یعنی پرتگالی بادشاہ) یہ ایک بہت بڑا کارنامہ تھا جو آغاز و انجام کے لحاظ سے بہت اچھا تھا"۔

(صور من الاستعمار ص ٦٦)

چشم فلک نے یہ منظر بھی دیکھا کہ مسلمان مردوں کو زندہ جلا کر ان کی لڑکیوں اور بیویوں کو عیسائی حکام کے حوالے کر دیا جاتا تاکہ وہ ان کو لونڈیاں بنا کر رکھیں۔ پھر ان کی شادی عیسائی مردوں سے کر دی جاتی تاکہ ان کا وجود ہی تحلیل ہو کر رہ جائے۔

(صور من الاستعمار ص ٦٦)

۱۵۴۰ء میں یوحنا سوم نے یہ فرمان جاری کیا کہ گوا اور کوچین کے علاقوں میں مسلمانوں اور ہندوؤں کے جو

وقاف یا دینی مراکز ہیں ان کو زمین بوس کر کے ان کی جگہ گرجا گھر تعمیر کئے جائیں اور ان اوقاف کی آمدنی کو مسجد یا مندر پر صرف کرنے کے بجائے گرجا گھروں پر صرف کیا جائے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ساڑھے تین سو مسجدوں اور مندروں کو پرتگالی فوجوں نے منہدم کر دیا۔ جہاں بعد میں گرجا گھر تعمیر کئے گئے۔ چنانچہ سینٹ پال نامی گرجا جو گوا میں واقع ہے وہ ایک مسجد کو گرا کر بنایا گیا تھا۔ علاوہ ازیں مقدسہ کیتھرائن کا گرجا بو کویرک پادری نے خود ایک جامع مسجد کو گرا کر بنایا۔ اسی طرح فرانسس، ڈی، اسیسی کا گرجا بھی ایک مسجد کو گرا کر بنایا گیا۔

(صور من الاستعمار ص ٦٦، نیز ملاحظہ ہو مقدمۃ الکتاب اظہار الحق ص ۲۲-۲۳)

یہ سب کچھ اس وقت ہوا جب ہندوستان پر مغلیہ خاندان کی حکومت تھی اور وہ اپنے کو مسلمان کہتے تھے۔ آنے والی نسلوں نے انہیں بہت بدنام کیا کہ وہ بہت متعصب مسلمان تھے لیکن یہ واقعات ان کی غفلت اور بے حمیتی کی نشان دہی کرتے ہیں۔

معلوم نہیں کیا وجہ تھی کہ پرتگالیوں کی طرح انگریزوں نے بھی ہندوستان کے مسلمانوں ہی کو اپنے ظلم و ستم کا نشانہ بنایا اور ہندومت کے بجائے انہیں اسلام ہی سے زیادہ دشمنی رہی۔ چنانچہ ولیم ہوارڈسل کے ان الفاظ سے انگریزوں کی اسلام دشمنی کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ:-

"ہماری مخالفت اور عناد پروان محمد سے کہیں زیادہ شدید ہے۔ بمقابلہ اس اختلاف کے جو ہمارے اور شیو اور وشنو کے پجاریوں کے درمیان ہے۔ یہ لوگ (مسلمان) ہماری حکومت کے لئے زیادہ خطرناک ہیں۔ اگر ہم ان روایات کو اکھاڑ پھینکتے اور اپنی طاقت اور کوشش سے محمد ﷺ کی مسجد کو مسمار کر دیتے تو یہ مسیحی عقیدہ اور ہماری برطانوی حکومت کے حق میں یقیناً بڑا اچھا ہوتا۔"

(منقول از "ذکر و فکر" ص ١٦ جون ١٩٨٨ء مضمون مولانا حسن مثنیٰ ندوی)

انگریزوں کے مسلمانوں پر ظلم و ستم اور وحشت و درندگی کے لئے ملاحظہ ہو کفات المسلمین فی تحریر الہند از عبد المنعم نمر، نیز اذھبت ریح الایمان لابی الحسن علی الندوی صفحہ ١٩٤-٢٠٠

پرتگالی وحشت و درندگی اور جبر و تشدد سے انسان تو انسان جانور اور درخت تک محفوظ نہ تھے۔ تاریخ کے رپورٹر بتاتے ہیں کہ:

"١٥٥٥ء میں کانا کور شہر میں نو ہزار مسلمانوں کو قتل کر کے ان کے پالتو جانوروں کو بھی موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ نیز ان کے ٤٠ ہزار درختوں کو کاٹ کر جلا دیا گیا"۔

(صور من الاستعمار ص ٣٨)

ظلم جب حد سے بڑھ جاتا ہے تو پھر مظلوموں کے دل میں ظالموں کے خلاف نفرت کا لاوا پکنا شروع ہو جاتا ہے۔ اس نفرت کو نہ پھر بندوقوں کی گولیاں، جیل خانوں کی کوٹھڑیاں اور پھانسی کے پھندے ختم کر سکتے ہیں اور نہ ظلم و ستم کا کوئی اور حربہ، مظلوموں کی نگاہوں کے میل اور دلوں کی کدورت کو کوئی شے ختم نہیں کر سکتی۔ حکومت کا مقصد رعایا پر ظلم و ستم نہیں بلکہ ان کے دلوں میں محبت و یگانگت کی تخم ریزی ہوتی ہے۔ گوا کے پرتگالی حکمرانوں کو بڑی دیر کے بعد احساس ہوا کہ اپنے ماتحتوں کے ساتھ ان کا رویہ نہایت شرمناک ہے۔ رعایا سلطنت کے

باغ کے پودے ہوتی ہے۔ باغبان جب پودوں کی تخم ریزی اور پھر آبیاری کرتا ہے تو ان کے جوان ہونے تک سیل و نہار کی محنت اسے مجبور کرتی ہے کہ وہ روز و شب کی ستم ظریفیوں سے انہیں محفوظ رکھے۔ موسم کے نشیب و فراز بھی پھول آنے تک سدراہ ہوتے ہیں۔ باغبان کی تمنائیں موسم سے بھی دست و گریبان ہوتی ہیں۔ لیکن یہاں تو معاملہ الٹا تھا باغباں قہر اور ظلم اور تیشۂ ستم سے گلستان کے ہر نخل کو بیخ و بن سے کاٹ رہا تھا۔ رعایا ملک چھوڑ کر بھاگ رہی تھی اور جو بھاگ نہ سکے وہ وحشت و درندگی کی نذر ہو گئے۔

ان سب چیزوں کو بعض بااختیار انتظامیہ کے لوگوں نے محسوس کیا اور انہیں اس بات کا شدید احساس ہوا کہ لوگوں کو عیسائی بنانے کا جو طریقہ انہوں نے اختیار کیا ہوا ہے وہ سراسر غلط ہے۔ رعایا کے قلب و نظر پر اس کے اثرات الٹے پڑ رہے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے لشبونہ کے حکام کو اس بارے میں لکھا کہ لوگوں کو مسیحیت کی دعوت کے لئے جبر و تشدد کے یہ جو طریقے اختیار کئے گئے ہیں ان کو ختم کیا جائے اور شفقت و محبت کی نیو پر دعوت کی عمارت کو کھڑا کیا جائے۔ لیکن لشبونہ کے حکمرانوں کے دل و دماغ پر خون سوار تھا۔ انہوں نے ان سفارشات کو درخور اعتنا نہ سمجھا اور ظلم و ستم کے وہ تمام حربے جاری رکھنے کی ہدایت دی جو کئی سالوں سے رعایا کا مقدر بن چکے تھے۔ اور جن حکمرانوں نے خزاں سے بہار چھین کر گل و گل چین کے رشتہ کی نیو اٹھانے کی کوشش کی تھی۔ انہیں سوائے مایوسی کے اور کچھ نہ ملا۔ لٰہذا حالات میں کوئی سدھار پیدا نہ ہوا۔ غیر ملکی حکمران غلام رعایا کے ساتھ باہم دست و گریبان رہے۔ آدمی کے لہو سے آدمیت کی ذلت چمکنے لگی۔ دلوں کے انگارے بدبو دینے لگے اور خار مغیلاں بھی خون انسانی سے لالہ و گل کی رنگت حاصل کرنے لگے۔

یہ تو پرتگالیوں کی داستانِ ظلم کی چند جھلکیاں تھیں جو انہوں نے عیسائیت کے فروغ اور تبلیغ کے لئے کئے۔ انگریزوں نے ہندوستان کے ساتھ اپنے دین کی نشر و اشاعت اور لوگوں کو مرعوب کرنے کے لئے جو کچھ کیا وہ داستان ظلم بھی اس سے کوئی مختلف نہیں۔ انگریزوں کے ہندوستان میں وارد ہونے پر اگرچہ بہت سے غدارانِ وطن نے جو بعد میں جاگیردار اور بڑے بڑے زمیندار کہلائے ان کا ساتھ دیا اور پوری ہندوستانی قوم کو انگریز کے پنجۂ استبداد میں پھانسنے کی سر توڑ کوشش کی۔ لیکن جب قفس کی تیلیاں ٹوٹیں تو بہار ان سے روٹھ چکی تھی اور شبنم کے آنسو ہچکیاں لے رہے تھے۔ بادِ نسیم ان کے لیے موت کی مضراب لے کر ان کے استقبال کو آئی۔ اور ان لوگوں نے قوم سے غداری کر کے اور غیر ملکی حکمرانوں کا ساتھ دے کر غیر معینہ وقت تک کے لئے اہلِ وطن کو غلامی کے لئے پابندِ سلاسل کر دیا۔

پرتگالیوں نے یورپ میں ہندوستان کی زرخیزی و شادابی اور خوشحالی کا زبردست پراپیگنڈہ کیا تھا۔ جس کی وجہ سے کئی ملکوں اور کئی لوگوں کے منہ سے رال ٹپکنے لگی۔ پرتگالیوں نے یہ خوشخبری بھی عیسائی دنیا کو دی تھی کہ وہاں عیسائیت کے فروغ اور اس کی نشر و اشاعت کے سنہرے مواقع ہیں۔ ان خبروں کے سننے کے بعد یورپی قزاقوں نے بڑی تعداد میں ہندوستان کا رخ کیا تاکہ اس سونے کی چڑیا پر جلد از جلد قبضہ کر سکیں۔ سترھویں صدی میں فرانسیسی اور ولندیزی تاجروں نے سورت اور گجرات میں اپنے تجارتی مراکز قائم کر دیئے۔ ان کی تجارتی سرگرمیاں اس حد تک بڑھ گئیں کہ انہوں نے مالابار کے ساحل پر واقع تمام پرتگالی مراکز پر قبضہ کر لیا۔ اس سے قبل فرانسیسیوں

نے ان مراکز پر قبضہ کیا تھا لیکن آخر میں انگریزوں نے پرتگالیوں اور فرانسیسیوں اور ولندیزیوں کا پتا ہندوستان سے کاٹ دیا اور خود بلاشرکت غیرے ہندوستان کے مالک بن گئے۔

(السادتی تاریخ المسلمین فی شبہ القارۃ الھندیہ جلد ۲ ص ۱۸۱، حضارۃ الھند ص ۲۴۰ محنتہ فی الفردوس لنور الدین داؤد ص ۲۳)

سب سے پہلا انگریز جس نے سرزمین پاک و ہند پر قدم رکھا تھا وہ پادری تھامس سٹیفنز (STEPHENS THOMAS) تھا جو ۱۵۷۹ء میں گوا آیا تھا۔ تین اور انگریز ہندوستان آئے اور انہوں نے ۱۵۹۹ء میں شہنشاہ اکبر کے عہد حکومت میں ہندوستان کے تعاون و اشتراک سے ایسٹ انڈیا کمپنی کی بنیاد رکھی۔ ۱۶۰۱ء میں ملکہ الزبتھ اوّل نے یہ فرمان جاری کیا کہ "لندنی تاجروں کی کمپنی ایسٹ انڈیا کمپنی کے ساتھ معاملہ کرے گی"۔ اس کمپنی کو یہ حق دیا گیا کہ وہ جس غیر مسیحی کے ساتھ چاہے صلح یا جنگ کرے۔

۱۶۰۸ء میں ولیم ہاکنز برطانوی سفیر بن کر ہندوستان آیا۔ اس نے برطانوی سفیر کی حیثیت سے انگلستان کے بادشاہ جیمز اول کا ایک خط شہنشاہ جہانگیر کی خدمت میں پیش کیا۔ اس خط میں یہ درخواست کی گئی تھی کہ ہندوستان میں انگریزوں کو تجارتی سہولتیں مہیا کی جائیں۔ لیکن شہنشاہ جہانگیر نے اس کی یہ درخواست مسترد کر دی۔ بعد میں مسٹر تھامس رو ۱۶۱۲ء میں انگلستان کے بادشاہ کا پیغام دوبارہ لے کر آیا تو انہیں یہاں فیکٹری لگانے اور تجارت کرنے کی اجازت مل گئی۔ اس کے بعد ان کے کارخانے اور فیکٹریاں پورے ہندوستان میں پھیلتی گئیں۔ اور غدر و خیانت اور مکر و خباثت سے انگریزوں نے سارے ہندوستان پر اپنے قدم جما لئے اور ہندوستان کے مختلف علاقوں میں انہیں ایک خاص مقام حاصل ہو گیا۔ بنگال اور بعض دوسرے ساحلی علاقوں میں انہوں نے بڑی بڑی فیکٹریاں اور تجارتی مراکز قائم کر لئے۔

انگریز نے یہ سیاست کی کہ جس جگہ پر رہے انہوں نے رہائش کے لئے مخصوص جگہ کا انتخاب کیا۔ اس طرح تجارتی قافلوں اور کاروبار کی حفاظت کا بہانہ بنا کر انہوں نے اپنی مخصوص فوج بھی تیار کر لی۔ مغل فوجوں اور حکام نے اپنی دور نااندیشی کی وجہ سے انگریزوں کی اس فوجی تیاری کو یہ کہہ کر نظر انداز کر دیا کہ یہ لوگ تجارت پیشہ ہیں اور مغلیہ خاندان کی ایک طاقتور اور مستحکم حکومت کے لئے یہ کسی طرح خطرہ نہیں بن سکتے۔ اس چیز کو اس بات سے بھی تقویت ملی کہ ابتدائی مراحل میں انگریزوں اور مغل فوجوں کے مابین ایک معرکہ ہوا جس میں انگریزی فوجوں کو ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ مغل حکام اس چھوٹے سے واقعہ سے انگریزوں کے خطرات سے اپنے کو بالکل محفوظ سمجھنے لگے۔ لیکن اس کے برعکس انگریزوں نے اپنے ان فوجیوں کی ناکامی سے یہ سبق سیکھا کہ انہوں نے اپنے کو مزید طاقتور بنانا شروع کر دیا تاکہ آئندہ کے معرکوں میں ان کی فوج کو ناکامی کا منہ نہ دیکھنا پڑے۔

دوسرے یہ کہ اس زمانہ میں عیسائیوں کی تعداد بہت کم تھی اور عیسائی مبلغین نے بھی اپنا تبلیغی کام اس زور و شور سے شروع نہیں کیا تھا۔ اس لئے انگریزوں کے ساتھ بدگمانی کے بجائے حسن ظن سے کام لیتے ہوئے اس بات کی اجازت دے دی گئی کہ وہ اپنی کمپنیوں کو ایسٹ انڈیا کمپنی کے ساتھ مدغم کر دیں۔ لیکن انگریزوں نے اس رعایت سے ناجائز فائدہ اٹھایا۔ اس وجہ سے سلطان اورنگ زیب عالمگیر ہو گئی اور دوسرے علاقوں میں انگریزوں کے

مضبوط ٹھکانوں کو تباہ و برباد کرنے پر مجبور ہو گئے۔ انگریزوں نے بادشاہ سے اپنی غلطی کی معذرت چاہی۔ چنانچہ اورنگ زیب عالمگیر نے انہیں معاف کر دیا اور انہیں دوبارہ اپنے کارخانوں، فیکٹریوں اور کمپنیوں کے قیام کی اجازت مل گئی جس کے بعد ہی کلکتہ شہر کی داغ بیل پڑی۔

(تشریح جثتہ الاستعمار ص ۲۱۲، نشأۃ باکستان ص ۳۰، تاریخ المسلمین فی شبہ القارۃ الہندیۃ جلد ۲ ص ۱۸۱، ص ۱۸۴، ۲۳۵، ۲۴۸، حقائق عن باکستان ص ۲۷)

حسن انتخاب

سید نذیر نیازی مرحوم

"قادیان، دارالشیطان"

مشہور ماہر اقبالیات سید نذیر نیازی مرحوم (۱۹۰۰-۱۹۸۱ء) کے والد صاحب ایک زمانہ میں بسلسلہ ملازمت دینانگر (گورداسپور) میں مقیم رہے۔ وہیں نیازی صاحب نے سکول میں داخلہ لیا۔ البتہ میٹرک کا امتحان قادیان کے ایک سکول سے پاس کیا۔ اس زمانۂ تعلیم کے بارے میں ایک واقعہ انہوں نے خود سنایا۔

ہمیں سکول میں تاریخ اسلام کے معروف مرتب اکبر شاہ خان نجیب آبادی پڑھاتے تھے۔ انہوں نے ایک روز ہمیں خط لکھنے کا طریقہ سکھایا۔ تو اُوپر کونے میں لکھا: "از قادیان۔ دارالامان" مجھے اپنے گھر کے دینی ماحول کے باعث اس زمانے میں بھی معلوم تھا کہ مرزائیت غیر اسلامی تحریک ہے چنانچہ میں نے اپنی کاپی پر قادیان دارالامان کی بجائے لکھا: "قادیان دارالشیطان"۔

اکبر شاہ خان مرحوم نے میری کاپی دیکھی تو آپے سے باہر ہو گئے اور میرے ہاتھ پر تڑاخ تڑاخ بید لگانے لگے۔ پھر یہ بات آئی گئی ہو گئی۔ کئی سال بعد ۱۹۲۸ء میں ایک روز میں علامہ اقبال کے ہاں میکلوڈ روڈ والی کوٹھی میں تھا کہ علامہ کے ملازم علی بخش نے اندر آکر علامہ سے کہا، ایک صاحب اکبر شاہ خان نجیب آبادی ملنے آئے ہیں۔ وہ اب مجھے پہچانتے نہیں تھے لیکن میں تو خوب پہچانتا تھا۔ میں نے جب انہیں بتایا کہ میں اُن کا شاگرد رہا ہوں اور انہوں نے مجھے مذکورہ واقعہ پر سزا دی تھی تو وہ افسوس کرنے لگے کیونکہ وہ اب مرزائیت سے تائب ہو چکے تھے۔

"سید نذیر نیازی، حیات اور تصانیف"، (نسیم اختر) مقالہ ایم اے اُردو ۱۹۸۳ء، پنجاب یونیورسٹی لاہور۔

ساغر اقبالی

زبان میری ہے بات ان کی

O۔ نواز شریف کو مسلم لیگ کا صدر نامزد کر دیا گیا (ایک خبر)
کلمۂ شہادت، فاتحہ، دعاء خیر۔۔۔۔۔ اللہ دی مرضی۔

O۔ میری منزل اللہ کی طرف ہے۔ سندھو دیش اس کا راستہ ہے۔ (جی ایم سید)
منزل درست ہے۔ راستہ غلط ہے۔

O۔ میر خلیل الرحمن بڑے آدمی تھے۔ (بشریٰ رحمن)
اس دور میں بڑے آدمی کی نشانی یہ ہے کہ اخبار کے ذریعے بے حیائی کو عام کرے۔

O۔ جیب تراش ثریا پکڑی گئی۔ (ایک خبر)

بی اے کر کے اب ثریا بن گئی ہے جیب تراش
لینے کے دینے پڑ گئے اس گھر کی ویرانی بھی دیکھ

O۔ حکمران بہن بھائی اور ماں بیٹی تک کو لڑانا چاہتے ہیں۔ (نصرت بھٹو)
اقتدار بری چیز ہے بی بی! حکمرانوں کا کوئی قصور نہیں۔

O۔ ناہید اختر سے روحانی نکاح ہو چکا ہے۔ گانا میری دعاؤں کی وجہ سے چھوٹا۔ (مہتاب احمد)
مرزا قادیان لعنۃ اللہ علیہ نے بھی محمدی بیگم سے اسی طرح کے نکاح کا دعویٰ کیا تھا۔

O۔ غریبوں کی لڑکیاں وڈیروں کے کھلونے ہیں۔ (بائل گنج لاہور کی عورتوں کا بیان)
وڈیرے ظالم ہیں حکمران بونے ہیں۔

O۔ ضلع کونسل لاہور کے وائس چیئرمین محمد رفیق کی طرف سے دی گئی افطار پارٹی میں لاری جانسٹن و دیگر معززین نے شرکت کی۔ (ایک خبر)
افطار پارٹی میں "لاری جانسٹن" کی شرکت! یہ مسلماں ہیں جنہیں دیکھ کر شرمائیں یہود۔

O۔ ساس بہو بھرے بازار میں الجھ پڑیں۔ ساس کی ناک کی ہڈی ٹوٹ گئی۔ (ایک خبر)
بہو جوڈو کراٹے کی ماہر ہو گی۔

O۔ سگریٹ نیچے کر لو۔ کیمرہ والے آ رہے ہیں۔ دو ارکان اسمبلی کے ایک دوسرے کو مشورے۔ (ماہِ رمضان کی ایک خبر)
شرم تم کو مگر نہیں آتی!

O۔ نقل کرانے سے منع کرنے پر استاد نے ناظم سنٹر پر حملہ کر دیا۔ (ایک خبر)
لارڈ میکالے کے نظام تعلیم کا صحیح نتیجہ!

O۔ شریعت عوام کے مسائل حل نہیں کر سکتی۔ (خورشید حسین میر)
رات کے تاریک سناٹوں کی پیداوار لوگ۔ میکدوں میں سیرت خیر البشر پر نکتہ چیں۔

O۔ ملتان میں روزے دار طالب علموں کی گرفتاری پر تاجروں کی ہڑتال۔ تھانے گئے تو مجسٹریٹ خود کھا پی رہا تھا۔ (ایک خبر)
لعنت بر پدر فرنگ!۔

O۔ ڈش انٹینا کی قیمتوں میں حیرت انگیز کمی۔ (ایک خبر)
بے حیائی کا سامان سستا ہو گیا۔

O۔ غلط الٹرا ساؤنڈ رپورٹ پر خاتون کے پیٹ کا آپریشن کر دیا گیا۔ (ایک خبر)

نرس کو دیکھ کے ڈاکٹر کے ایسے ہوش اڑے
کہ شراب سیخ پہ ڈالی کباب شیشے میں

O۔ عورتوں اور مردوں کا ایک کمرے میں اکٹھے بیٹھنا جرم نہیں۔ (سردار اسحٰق)
چاہے سردار صاحب کے اپنے گھر کی عورتیں ہوں!

O۔ صدر اور وزیر اعظم میں مفاہمت مشکل دکھائی دیتی ہے۔ (کوثر نیازی)
تو اسی طرح اقتدار کی لیلیٰ آپ کے ہاتھ آجائے گی؟

O۔ نورانی بھی صدر بنیں گے (ایک خبر)
اب راج کرے گی نورانی

O۔ ہو گا وہی جو اللہ چاہے گا اور اللہ امریکہ اور صدر اسحٰق سے اختلاف نہیں کرتا۔ (دلدار پرویز بھٹی)
ابلیس لعین کو آپ کی شاگردی پر ناز ہے۔

O۔ وائس چیئرمین اوکاڑہ سرکاری گاڑی ذاتی استعمال میں لاتے ہیں۔ (ایک خبر)
ملک کے تمام سرکاری اداروں کی گاڑیاں افسران اور اُن کی بیگمات کے اشارے پر چلتی ہیں۔

O۔ "ایک کلو ہیروئن ڈال دوں گا۔ پھر دیکھتا ہوں منتھلی کیسے نہیں دیتے"۔ (ڈسکہ بس سٹینڈ کے باہر اے ایس آئی کی ٹرک ڈرائیور کو دھمکی)
پولیس سے کسی شہری کی زندگی محفوظ نہیں۔

ہوتا ہے شب و روز تماشا مرے آگے

O۔ رقص کا الزام مضحکہ خیز ہے۔ مجھے پاکستان کے وقار کا بہت احساس ہے۔ (عابدہ حسین)

بلکہ مردم خیز ہے۔ آخر ایک "عابدہ، زاہدہ" پر لوگ کیچڑ کیوں اُچھالتے ہیں؟

O۔ میر خلیل الرحمٰن سچے عاشق رسول ﷺ تھے۔ ہمیشہ حق کی آواز بلند کی۔ (شیخ رشید)

روزنامہ جنگ میں قوم کی بہو بیٹیوں (اپنی نہیں) کو ناچتا تھرکتا دکھا کر آپ نے اور میر صاحب نے عشق رسالت کا مثالی مظاہر کیا ہے۔

O۔ حبیب جالب کو بڑے اکرام سے سپردِ خاک کر دیا گیا۔ (ایک خبر)

عمر بھر سنگ زنی کرتے رہے اہلِ وطن
یہ الگ بات کہ دفنائیں گے اعزاز کے ساتھ

O۔ جائیداد کی خاطر بیٹے نے ماں کی ٹانگ توڑ ڈالی۔ (ایک خبر)

پوری پوری رات گود میں لے کر بیٹھی رہنے والی ہستی کے ساتھ یہ سلوک! کافرانہ تہذیب کو اپنانے کا تحفہ۔

O۔ اب سپریم کورٹ کی اپنی عمارت ہے، انصاف چاہنے والوں کو اب انصاف ملے گا۔ (نواز شریف)

جناب آپ توہین عدالت کے مرتکب ہو رہے ہیں!

O۔ نواز شریف نے جرائم پیشہ ارکان اسمبلی کی فہرستیں تیار کرنے کا حکم دے دیا (ایک خبر)

اس قبیلے کا ہر پیر و جواں گستاخ ہے۔

O۔ ملک معراج خالد نے چیف جسٹس افضل ظلہ کے خلاف توہین عدالت کے الزام میں پٹیشن دائر کر دی (ایک خبر)

معاملہ عدالت میں ہے اور ہم تبصرہ کر کے خوامخواہ توہین عدالت کے مرتکب نہیں ہونا چاہتے۔

O۔ وزیر اعظم نے استقبالیہ لائن میں کھڑے ہوئے شیخو پورہ سے آئی جے آئی کے ایم پی اے رشید ڈوگر کو ہتھکڑی لگوا دی۔ (ایک خبر)

ملتان میں آبروریزی کے ملزم آئی جے آئی کے سکندر بوسن کی گرفتاری، وزیر اعظم کے دائرہ اختیار سے باہر ہے۔

محمد عمر فاروق

جوابِ آں غزل

م۔ش کی قادیانیت نوازی
اور شیخ اعجاز احمد و اولادِ اقبالؒ کی گارڈین شِپ

زیرِ نظر مکتوب "مشہور" نوائے وقتی کالم نگار "م۔ش" کے جواب میں ایڈیٹر "نوائے وقت" کو لکھا گیا مگر "جابر سلطان کے سامنے کلمۂ حق کہنے والے" سچائی کے چند بول برداشت نہ کر سکے۔ لیکن حق و صداقت کو اپنے اظہار کے لئے "نوائے وقتوں" کی ضرورت کبھی نہیں رہی اور نہ ہی اس کے ابن الوقت لکھاریوں کی تائید و تصدیق کی کمی محسوس ہوئی ہے۔

فروری ۹۳ء میں قادیانیت زدہ مضمون نگار م۔ش نے علامہ اقبال کے حوالے سے قلم کی جو ابکائی کی ہے یہ اُن کے قدیمی و دائمی "امراض خبیثہ" کی علامت جدیدہ ہے۔ ہر چند کہ ادارہ ایسے مرفوع القلم لوگوں کو منہ نہیں لگانا چاہتا لیکن کبھی کبھی ریکارڈ کی درستگی کے لئے مذکورہ قماش کے دریدہ دھنوں کی خبر گیری کرنا ازحد ضروری ہو جاتا ہے۔ ایسے دو نہادوں کے لئے جناب محمد عمر فاروق کا یہ "نسخۂ شافی" خاصے کی چیز ہے۔ اُمید ہے کہ اس سے بہتوں کا بھلا ہو گا۔ اللہ کریم ایسے سرطانی مریضوں کو شفائے کاملہ عطاء فرمائے۔ (آمین)

ادارہ

محترمی ایڈیٹر صاحب روزنامہ نوائے وقت لاہور

السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ!

گذارش ہے کہ بندہ "نوائے وقت" کا مستقل قاری ہے۔ تاریخ سے گہری شیفتگی کی وجہ سے میں م۔ش صاحب کی یادداشتوں کا بغور مطالعہ کرتا ہوں۔ ریکارڈ کی درستگی کے لئے یہ چند سطور پیشِ خدمت ہیں۔

گر قبول افتد زہے عزو شرف

م۔ش صاحب نے "پدرم دھقان بود" کی ۱۳۷ ویں قسط بابت ۱۲ فروری ۱۹۹۳ء میں "علامہ کے ٹرسٹی" کے عنوان سے چودھری محمد حسین مرحوم کی خدمات پر ایک تفصیلی مضمون رقم کیا ہے۔ لیکن انہوں نے مفکرِ پاکستان علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے ایک واضح مکتوب کے ناقابلِ تردید شواہد کو مبالغہ آمیزی کی حد تک جھٹلانا چاہا ہے۔ میں حیران ہوں کہ اس مضمون میں انہوں نے نجانے کیوں حقائق سے چشم پوشی کرنے کی سعیٔ ناکام کی ہے۔ شاید یہ اُن کے حافظے کی کمزوری ہے۔ یا درونِ خانہ مصلحتوں کا اظہار بے اختیار! جبکہ انہیں یہ بھی دعویٰ ہے کہ وہ علامہ اقبالؒ کی محفلوں کے رازدار ہیں اور انہیں علامہ کی خدمت کا موقع بھی میسر آیا ہے۔ آخر وہ سچی بات کہنے

سے گریزاں کیوں ہو جاتے ہیں؟ میم۔شین صاحب کے اس ناروا طرزِ عمل کی شکایت میگزین کے انہی صفحات پر ممتاز پنجابی دانشور سید سبط الحسن ضیغم اور جناب احمد محمود سعید میاں بھی کر چکے ہیں۔ محترم م۔ش سے ہماری گذارش ہے کہ اگر وہ مصلحتوں سے دامن چھڑا نہیں سکتے تو خدارا! تاریخ کے اُجلے اوراق کو مسخ نہ کریں۔ حقائق مقدس ہوتے ہیں۔ صداقت اپنے اندر ایک قوت رکھتی ہے۔ جو سچائی کے دامن پر دیدہ دانستہ ڈالے گئے دبیز پردوں کو اتار پھینکتی ہے۔ "نوائے وقت" ایک قومی اخبار اور نظریۂ پاکستان کا مناد ہونے کا دعویٰ بھی رکھتا ہے۔ اس حوالے سے یہ بات "نوائے وقت" ایسے موقر جریدے کے شایانِ شان نہیں ہے کہ اس کے صفحات پر روزِ روشن کی طرح واضح حقیقتوں کا مذاق اڑایا جائے۔ اور علامہ اقبال کے کروڑوں عقیدت مندوں کے جذبات مجروح کئے جائیں۔

م۔ش صاحب نے چودھری محمد حسین کی خدمات کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

"قبلہ چودھری صاحب ان چار افراد میں شامل تھے جنہیں حضرت علامہ اقبال نے اپنے کمسن بچوں کا گارڈین مقرر کیا تھا۔ باقی تین حضرات میں حضرت علامہ اقبال کے برادرِ نسبتی خواجہ صاحب، دوسرے شیخ اعجاز احمد جو شاعرِ مشرق کے سگے بھتیجے اور تیسرے میاں طاہر الدین تھے۔۔۔۔"

اس مختصر پیراگراف میں انہوں نے شیخ اعجاز احمد کا تذکرہ کیا ہے۔ حالانکہ یہ بات اقبالیات کے ماہرین نے اپنے مکمل دلائل و براہین کے ساتھ واضح کر دی ہے کہ علامہ محمد اقبال نے اپنے بھتیجے شیخ اعجاز احمد کو قادیانی عقائد کی بناء پر اپنے بچوں کی گارڈین شپ سے علیحدہ کر دیا تھا اور سر راس مسعود کو ایک خط میں شیخ اعجاز احمد کی جگہ پر بچوں کی سرپرستی کے لئے لکھا تھا۔ گارڈین شپ سے علیحدگی کی اصل وجہ سامنے لانے کی بجائے م۔ش نے لکھا ہے کہ: "شیخ اعجاز احمد اپنی ملازمت کی ذمہ داریوں میں مصروف تھے"۔ بہرحال یہ وہ حقائق ہیں جو اقبال اکادمی پاکستان کے مجلہ "اقبالیات" لاہور کے جولائی ۱۹۸۷ء کے شمارے میں جناب ڈاکٹر وحید عشرت کے قلم سے سامنے آ چکے ہیں۔ اور پھر ماہنامہ نقیبِ ختمِ نبوت کے اوراق کی زینت بھی بن چکے ہیں۔ یہ تو تھی وہ سچائی جسے پسِ پردہ ڈالنے کے لئے نوائے وقت کا سہارا لیا گیا۔ اب سنیئے مکتوبِ اقبالؒ کی وہ حیرت ناک کہانی جس کے مرکزی کردار چودھری محمد حسین اور شیخ اعجاز احمد تھے۔ یہ مکتوب اس لئے بھی اہم ہے کہ اقبال کے نام نہاد وارث اس خط میں کتر بیونت سے باز نہ آئے۔ اسی لئے خط کا اصل عکس نہ شائع کیا گیا۔ پہلے خط کی اصل عبارت ملاحظہ فرمائیں۔

لاہور
۱۰ جون ۱۹۳۵ء

ڈیئر مسعود۔ پرسوں آپ کو ایک خط لکھا تھا۔ امید ہے کہ پہنچ گیا ہوگا۔ اس خط میں ایک بات لکھنا بھول گیا۔ جواب لکھتا ہوں۔

مسٹر [illegible] کے چار [illegible] منظور کئے تھے۔ [illegible] از روئے وصیت منظور کئے گئے ہیں جو سب کے سب لاہور کے دفتر میں محفوظ ہے۔ نام ان کے حسب ذیل ہیں۔

(۱) شیخ [illegible]۔ یہ پہلے کلکٹر ہیں۔ جو [illegible] ساتھ ہے۔ محکمہ [illegible] میں ملازم [illegible]۔ (۲) چوہدری محمد حسین ایم اے سپرنٹنڈنٹ پریس برانچ سول سیکرٹریٹ لاہور۔ یہ بھی [illegible]۔ نہایت مخلص مسلمان (۳) شیخ [illegible] (۴) عبدالغنی [illegible] [illegible] کی بابت [illegible] جانتا ہوں۔ اس کی جگہ [illegible] دوسرا [illegible] کا اعلان کرے۔ ہر (۵) شیخ [illegible] بڑا مخلص ہے۔ نہایت صالح آدمی [illegible] دینی [illegible] قادیانی ہے۔ [illegible] تمام مسلمان [illegible]۔ اس واسطے [illegible] ایسا [illegible] [illegible] یہ [illegible] عام طور پر [illegible] باہر رہتا ہے۔ میں [illegible] اس کی جگہ [illegible] منظور کریں۔ مجھے امید ہے [illegible] ضرور ہو گا۔ یہ درست ہے [illegible] بہت [illegible]۔ لیکن اگر [illegible] معاملہ ایسا ہوا۔ تو [illegible] باقی [illegible] ہے [illegible] کا درجہ [illegible] کسی قدر کم ہو گیا ہے [illegible] مسعود [illegible] دعا کرتا ہوں۔ امید ہے کہ [illegible] ہیں [illegible] اس کا [illegible] بہت [illegible] ہے۔ یہ [illegible] کی [illegible] میں [illegible] سے [illegible] کا استعمال [illegible] سہولت ہے۔

والسلام

محمد اقبال

لاہور

۱۰ جون ۷ ۱۹۳ء

ڈیئر مسعود!

پرسوں میں نے تمہیں ایک خط لکھا تھا۔ امید ہے کہ پہنچا ہو گا۔ اس خط میں ایک بات لکھنا بھول گیا جواَب لکھتا ہوں۔

میں نے جاوید اور منیرہ کے چار GUARDIAN مقرر کئے تھے۔ یہ GUARDIAN از روئے وصیت مقرر کئے گئے تھے۔ جو سب رجسٹرار لاہور کے دفتر میں محفوظ ہے۔ نام ان کے حسب ذیل ہیں۔

۱۔ شیخ طاہر دین۔ یہ میرے کلارک ہیں جو قریباً بیس سال سے میرے ساتھ ہیں۔ مجھ کو ان کے اخلاص پر کامل اعتماد ہے۔

۲۔ چودھری محمد حسین۔ ایم۔اے سپرنٹنڈنٹ پریس برانچ سول سیکٹریٹ لاہور۔ یہ بھی میرے قدیم دوست ہیں۔ اور نہایت مخلص مسلمان۔

۳۔ شیخ اعجاز احمد بی۔اے، ایل۔ایل۔ بی سب جج دہلی۔

۴۔ عبد الغنی مرحوم۔ عبد الغنی بے چارے کی بابت میں تم کو اطلاع دے چکا ہوں۔ اس کی جگہ خان صاحب میاں امیر الدین سب رجسٹرار لاہور کو مقرر کرنے کا ارادہ ہے۔ نمبر ۳۔ شیخ اعجاز احمد میرا بڑا بھتیجا ہے۔ نہایت صالح آدمی ہے مگر افسوس کہ دینی عقائد کی رُو سے قادیانی ہے۔ تم کو معلوم ہے کہ قادیانیوں کے عقیدے کے مطابق تمام مسلمان کافر ہیں۔ اس واسطے شرعاً یہ امر مشتبہ ہے کہ آیا ایسا عقیدہ رکھنے والا آدمی مسلمان بچوں کا GUARDIAN ہو سکتا ہے یا نہیں۔ اس کے علاوہ وہ خود بہت عیال دار ہے۔ اور عام طور پر لاہور سے باہر رہتا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اس کی جگہ تم کو GUARDIAN مقرر کروں۔ مجھے اُمید ہے کہ تمہیں اس پر کوئی اعتراض نہ ہو گا۔ یہ درست ہے کہ تم لاہور سے بہت دور ہو۔ لیکن اگر کوئی معاملہ ایسا ہوا تو لاہور میں رہنے والے گارڈین تمہارے ساتھ خط و کتابت کر سکتے ہیں۔ باقی خدا کے فضل سے خیریت ہے۔ لاہور کا درجۂ حرارت کسی قدر کم ہو گیا ہے۔ لیڈی مسعود سلام قبول کرے۔ نادرہ کے لئے دعا کرتا ہوں۔ اُمید ہے کہ تم کو اب نقرس سے آرام ہو گا۔ کہتے ہیں کہ آیوڈیکس اس کے لئے بہت مفید ہے۔ یہ ایک تو مرہم کی صورت میں ہوتی ہے دوسری سیال صورت میں۔ موخرالذکر کے استعمال میں سہولت ہے۔

والسلام

محمد اقبال

(بحوالہ "اقبال اور ممنون حسن" ص-۱۵- از ڈاکٹر اخلاق اثر)

علاوہ ازیں شیخ عطاء اللہ کے مرتب کردہ مجموعۂ مکاتیب "اقبال نامہ" کے ایک ہی ایڈیشن کے دو نسخوں کے درمیان اس قدر واضح فرق موجود ہے کہ یہ بات کھُل کر سامنے آتی ہے کہ شعوری کوشش کے تحت علامہ اقبال کے

اس خط کے مندرجات میں تحریف سے کام لیا گیا۔ جس کا مقصد شیخ اعجاز احمد کے عقائد کے بارے میں علامہ اقبال کے تاثرات کو چھپانا تھا۔ شیخ اعجاز احمد نے اپنی کتاب "مظلوم اقبال" میں چودھری محمد حسین پر یہ الزام دیا ہے کہ:
"گارڈین شپ میں ان کے حریف چودھری محمد حسین نے سیاست کرتے ہوئے علامہ محمد اقبال کی طرف سے ان کی صالحیت کے سرٹیفکیٹ کو دبانے کے لئے یہ تحریف کی"۔ حالانکہ چودھری محمد حسین نے شیخ اعجاز احمد کے بارے میں متعلقہ حصہ حذف کر کے ان کے قادیانی عقیدے کے لئے فائدہ مند ہونے کی بجائے اُلٹا نقصان دہ ہو سکتی تھی۔ بقول ڈاکٹر وحید عشرت: "چودھری محمد حسین نے تو شیخ اعجاز سے سیاست نہیں کی بلکہ شیخ اعجاز احمد کی گارڈین شپ محفوظ کرنے کے لئے اقبال کے خط کی عبارت کو بدل دیا۔ اور شیخ اعجاز کے عقائد اور اُن کی گارڈین شپ سے محرومی کی وجہ کو چھپا دیا ہے اور انہیں خط سے نکال کر شیخ اعجاز احمد کی خدمت انجام دی۔ اس لئے شیخ اعجاز کو تو چودھری محمد حسین کا احسان مند ہونا چاہیئے۔ حالانکہ وہ اُلٹا گلہ کر رہے ہیں کہ چودھری صاحب نے شیخ اعجاز کی غیر متنازع شخصیت کو متنازع بنا دیا۔ اس کی وجہ بچوں کی گارڈین شپ میں شیخ اعجاز کو شریک رکھنا بھی مطلوب ہو سکتا ہے کہ خاندانِ اقبال کے اس فرد کو کسی نہ کسی طرح گارڈین شپ میں باقی رکھا جائے۔ تاہم نیک نیتی سے بھی کی گئی اس کتر بیونت کے اخلاقی جواز کی تفہیم نہیں ہوتی کہ جس چیز کو علامہ شرعاً مشتبہ سمجھتے تھے اس کو عبارت سے حذف کر کے مباح کرنے کی سعی کیوں کی گئی اور شیخ اعجاز کے لئے یہ نرم گوشہ کیوں پیدا کیا گیا۔

(اقبالیات" جولائی ۱۹۸۷ء)

فی الحقیقت علامہ اقبالؒ جن کے قادیانیوں کے متعلق افکار چھپے ڈھکے نہیں ہیں۔ ان کی ذات کو متنازع بنانے کی یہ کوششیں دراصل قادیانیوں کی زیرِ زمین تخریبی کارروائیوں کا ایک حصہ ہے۔ جس کے لئے انہوں نے مختلف افراد کو استعمال کیا۔ حالانکہ علامہ محمد اقبالؒ نے ۱۹۳۱ء میں آل انڈیا کشمیر کمیٹی سے محض اس لئے استعفیٰ دے دیا تھا کہ قادیانی سربراہ مرزا بشیر الدین محمود کشمیر کمیٹی کے ذریعے قادیانیت کی تبلیغ کرنا چاہتے تھے۔ اور کشمیری مسلمانوں کے مسائل اُن کا مطمحِ نظر نہ تھے۔ قادیانی مسئلہ پر ہی علامہ اقبال کی پنڈت نہرو سے خط و کتابت ہوئی۔ جو "کلکتہ ریویو" میں اشاعت پذیر ہوئی۔ جو نفسِ مضمون کے اعتبار سے علامہ اقبالؒ کے عقیدۂ ختمِ نبوت پر غیر متزلزل ایمان کا منہ بولتا ثبوت بھی ہے۔ قادیانیوں کی اسلام دشمن سرگرمیوں کی خوفناکی کا اندازہ انہوں نے بہت پہلے کر لیا تھا اور اپنی غیرتِ ایمانی کا برملا اظہار کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ:
"ختمِ نبوت کے معنیٰ یہ ہیں کہ کوئی شخص بعدِ اسلام اگر یہ دعویٰ کرے کہ مجھے الہام وغیرہ ہوتا ہے اور میری جماعت میں داخل نہ ہونے والا کافر ہے تو وہ شخص کاذب ہے۔ اور واجبُ القتل! مسیلمہ کذاب کو اسی بناء پر قتل کیا گیا تھا۔ حالانکہ وہ حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا مصدق تھا۔ اور اسکی اذان میں حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق تھی۔ (انوار اقبال ص ۴۵۔ از بشیر احمد ڈار)

اپنے ان مستحکم عقائد کی بنیاد پر علامہ اقبال یہ کیسے گوارا کر سکتے تھے کہ اُن کا قادیانی العقیدہ بھتیجا اُن کی مسلمان اولاد کا سرپرست بن جائے۔ شیخ اعجاز احمد نے اپنی کتاب "مظلوم اقبال" میں اقبال کے بارے میں کہا ہے کہ وہ قادیانیوں کے بارے میں نرم گوشہ رکھتے تھے اور عمر کے آخری حصے میں وہ مجلسِ احرار کے رہنماؤں کی باتوں میں آکر قادیانیت کے سخت خلاف ہو گئے تھے۔ حالانکہ ایسا شرمناک الزام حضرت علامہ اقبال کی شفاف شخصیت کو

دانشور بنانے کے مترادف ہے۔ اور ان کے عقائد و افکار پر گھناؤنا حملہ ہے۔ جبکہ اقبال ختم نبوت کے عقیدے کو جان سے زیادہ عزیز گردانتے ہیں۔ اور اس عقیدہ کو اسلام کی اساس قرار دیتے ہیں۔ اور وہ زندگی کے کسی مرحلے میں بھی قادیانیت کے قریب نہیں رہے۔ رہی بات مجلس احرار کی تو یہ حقیقت کبھی مخفی نہیں رہی کہ حضرت علامہ محمد اقبالؒ اور مجلس احرار کے رہنماؤں امیرِ شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ اور چودھری افضل حق مرحوم کے آپس میں گہرے تعلقات تھے۔ اور علامہ مرحوم نے قادیانیت کے خلاف مجلس احرار کی تحریک کو مستحسن نظروں سے دیکھا اور ہمیشہ ان کی تائید کی۔ سیاسی راہیں اگرچہ جدا ہوں لیکن وضعدار لوگ شخصی احترام اور انسانی اقدار کو ہمیشہ ملحوظ رکھتے ہیں۔ اور یہ حقیقت بھی عیاں ہے کہ آل انڈیا کشمیر کمیٹی سے استعفیٰ کے بعد علامہ مرحوم نے ہی حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ کے ایماء پر مجلس احرار کو "تحریک کشمیر" چلانے کا عندیہ دیا تھا۔ اس تحریک میں پچاس ہزار سے زائد احرار رضاکاروں نے قید و بند کی صعوبتیں برداشت کی تھیں۔ علامہ اقبالؒ ہمیشہ حق پرست علماء و مشائخ کے قریب رہے۔ اور بعض علمی مسائل و اشکالات میں اُن سے مستفید ہوتے رہے۔ علامہ مرحوم نے قادیانیوں کی مخالفت عقیدۂ ختمِ نبوت پر کامل یقین و اعتماد کی بنیاد پر کی تھی نہ کہ اس میں کسی ذاتی رنجش کو عمل دخل تھا۔ جو شخص یا جماعت علامہ کی قادیانیت دشمنی کو ذاتی اختلافات کا نتیجہ بناتی ہے وہ خود در حقیقت اقبال دشمنی کا شکار ہیں۔ علاوہ ازیں علامہ اقبال کے قادیانیوں کے بارے میں صریح و مضبوط مؤقف کو چھپانے سے خود علامہ مرحوم کی ذات پر حرف آنے کا اندیشہ ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ اقبالیات کے ماہرین قادیانیوں اور اُن کے کار پردازوں پر کڑی نظر رکھیں۔ اور مکاتیب اقبال کا از سرِ نو جائزہ لیں اور ان کے خطوط کے مکمل عکس چھاپیں تاکہ اُن میں ہونے والی بددیانتیوں اور تحریفات کو آشکارا کیا جا سکے۔ اقبال اکادمی اس اہم قومی معاملے پر ضرور توجہ کرے۔ اسی کے ساتھ م۔ش صاحب سے بھی گذارش کروں گا کہ وہ بھی روایات تحریر کرتے وقت احتیاط اور چھان پھٹک سے کام لیں اور محض اپنے حافظے و یادداشت پر انحصار کرنے کی بجائے تحقیق سے مدد لیں اور کتب و جرائد سے اپنی تحریر کو باحوالہ بنائیں۔ تاکہ مستند تاریخی روایات کا ذخیرہ مرتب ہو سکے۔ اور اصل حالات و واقعات قوم تک منتقل ہو سکیں۔ آپ کے قادیانیوں سے تعلقات اپنی جگہ لیکن للہ علامہ اقبال کا نام لے کر خرافات کے ملغوبے سے اقبال کے افکار اور عقائد کو پامال نہ کریں۔ کیا یہ بات اپنی جگہ درست نہیں ہے کہ آپ قیام پاکستان سے قبل قادیانی تنظیم انٹر کالجیٹ مسلم برادر ہڈ کے صدر نہیں رہے۔ کیا یہ بھی غلط ہے کہ ربوہ میں قادیانی سربراہوں سے آپ کی ملاقاتیں بالتزام ہوتی رہیں۔ کیا اس حقیقت کا انکشاف بھی بے موقع نہ ہوگا کہ لاہوری قادیانیوں کا ترجمان ہفت روزہ "لاہور" آپ ہی کے پریس پاکستان پرنٹنگ ورکس میں چھپتا ہے۔ اس سب کچھ کے باوجود آپ کو مفکر پاکستان علامہ محمد اقبال کا محافظ اور ترجمان و خدمت گار سمجھا جائے کیا اسی اقبال کا! جنہوں نے اپنے خطبات میں فرمایا تھا کہ: "قادیانی اسلام اور وطن دونوں کے غدار ہیں"[1]۔ "قادیانیت یہودیت کی طرف رجوع ہے"[2]۔

اور آپ ابھی تک انہیں غداروں کو سینے سے لگائے ہوئے ہیں۔ ایں چہ بوالعجبی است

والسلام

محمد عمر فاروق

(تلہ گنگ۔ ضلع چکوال)

۱۔ پنڈت نہرو کے نام خط ۲۱ جون ۱۹۳۶ء

۲۔ حرف اقبال صفحہ ۱۱۵

انداز نظر

نذیر ناجی۔۔۔۔۔

درد کی آنچ

یہ اتنا بڑا واقعہ ہے کہ ہمیں کیا؟ ابھی تک غیروں کو بھی ہضم نہیں ہو رہا۔ مغربی میڈیا "معاہدہ اسلام آباد" کی کامیابی کے بارے میں طرح طرح کے خدشات کا اظہار کر رہا ہے۔ ہمارے اندر بھی بے شمار مہربان انگشت بدنداں ہیں کہ ان کی تمام تر کرم فرمائیوں کے باوجود یہ سب کچھ ہو کیسے گیا؟ وہ ساری قوتیں جو افغانستان میں آگ و خون کا کھیل جاری رکھنے پر تلی تھیں انہیں اپنے گراؤنڈ ورک پر اتنا یقین تھا بلکہ ہے کہ افغانوں کی خانہ جنگی ختم ہو ہی نہیں سکتی۔ اور سچی بات ہے کہ ان کا کام بھی تھا کافی مضبوط! کون سا غلط تصور تھا جسے یہاں حقیقت بنا کر پیش نہیں کیا گیا؟ ایک مثال ہی دیکھ لیں جنگ مجاہدین لڑتے رہے نجیب نے ہار مانی تو اسکا کریڈٹ دوستم کو دینے کے لئے سارا مغرب یک زبان ہو گیا۔ اسکا "بیس ہزار ملیشیا" دریافت کیا گیا۔ یہ تھیوری پھیلائی گئی کہ دوستم کو اقتدار میں برابر کا حصہ نہ دیا گیا تو حالات پر مجاہدین کی گرفت نہیں رہے گی۔ بلکہ غیر پختون علاقے الگ ہو جائیں گے۔ مغرب کا تو ایک مقصد تھا وہ یہ کہ مجاہدین متحد ہو کر افغانستان میں کوئی مستحکم حکومت قائم نہ کر لیں۔ ایک پرامن افغانستان جس پر مجاہدین کی حکومت ہو اور اسکے پاس اسلحہ کے وہ بے پناہ ذخائر ہوں جو روسی اپنے پٹھوؤں کے لئے چھوڑ کر گئے تھے کئی جگہ خوف و ہراس کا باعث بن رہا تھا۔ منصوبے یہ تھے بلکہ اب بھی ہیں کہ افغانستان میں ایسے حالات پیدا کئے جائیں کہ یو این کے پردے میں وہاں مغربی اور بھارت کی افواج اتارنے کا جواز "تیار" ہو جائے اور پھر یہ سارا اسلحہ تباہ کر دیا جائے۔ افغانستان میں سات سو تو صرف سکڈ میزائل پڑے ہیں۔ یہ بے پناہ اسلحہ پاکستان کی دوست حکومت کے تصرف میں ہو تو پاکستان اور بھارت کی قوت قریب قریب برابر ہو جاتی ہے۔ اللہ کی قدرت دیکھیئے کہ جس دن دہلی کے حکمران اپنے تیار کردہ ٹینک "ارجن" کی آزمائش پر خوش ہو رہے تھے اسی رات پاکستان کے ایوان وزیر اعظم میں ایک کاغذ تیار ہو رہا تھا۔ اس ایک کاغذ نے لالہ جی کی تمام خوشیاں ملیامیٹ کر دی ہوں گی۔ اس کاغذ کا نام "معاہدہ اسلام آباد" ہے اہل پاکستان سے التماس ہے کہ اس معاہدے پر کامیابی کے ساتھ عمل در آمد کے لئے دل کی گہرائیوں سے دعائیں کریں۔ کیوں کہ اس کی کامیابی میں وسطی ایشیاء سے لے کر برصغیر تک مسلمانوں کے لئے تقویت اور سلامتی ہے۔

میرے بعض کرم فرما یہ ضرور سوچیں گے کہ "آج اسے کیا ہو گیا ہے کہ کابل میں بنیاد پرستوں کے تسلط پر یہ خوشیوں کا اظہار کر رہا ہے؟" ان کرم فرماؤں سے میری درخواست ہے کہ وہ اپنی ارد گرد کی دنیا کو دیکھیں اور بتائیں کہ میں "مسمی نذیر ناجی ولد چراغ الدین مذہب اسلام لبرل ماڈریٹ بن کر رہ سکتا ہوں؟"

کیا میں بھارت کے کانگرسی مسلمانوں سے زیادہ لبرل ہو سکتا ہوں؟ ان میں سے تو کئی ایسے بھی تھے جو مذہب کو پرانے زمانے کی چیز قرار دے کر اس سے لاتعلقی کا اعلان کرتے تھے لیکن ان کے یہ سارے جتن کسی کام نہ آئے۔ مارنے، لوٹنے اور گھر جلانے والوں نے صرف ایک چیز دیکھی کہ اس کا نام کیا ہے؟

کیا میں جارج بش اور یاسر عرفات کی گوریلا تنظیموں سے زیادہ لبرل اور سیکولر ہو سکتا ہوں؟ لیکن دنیا نے یہ مانا۔ ان کے لئے بھی وہی ہے جو کہ فنڈامنٹلسٹوں کے لئے ہے۔

کیا میں بوسنیا کے مسلمانوں سے زیادہ لبرل اور مغربی تہذیب میں ڈھل سکتا ہوں؟ ان کی تو بود و باش، باس، مکان، عادات، ہر چیز عیسائیوں کی طرح ہے۔ وہ بیچارے صرف نام کے گناہ گار ہیں۔ ان میں سے بہت کم ہیں جو کلمہ طیبہ سے زیادہ کچھ جانتے ہیں وہ تو اور بھی کم ہیں جو مسجد میں جاتے ہوں۔ خود مغرب والے بھی ان پر بنیاد پرستی کا الزام نہیں لگاتے۔ لیکن ساری غیر مسلم دنیا ان کی نسل کشی پر کمر بستہ ہے۔ یہ حرامی یورپ اور امریکہ والے دکھانے کیلئے پابندیوں، مذاکرات اور امداد کے ڈرامے لگا رہے ہیں۔ اندر اندر قاتل اور درندے عیسائی گروہوں کو ہر قسم کی سپلائی جاری ہے جبکہ مسلمانوں کو اس برفانی موسم میں کپڑے دوائیں اور خوراک نہیں پہنچائی جا رہی۔ دس پندرہ لاریاں سڑک پر کھڑی کر کے رکھی ہوئی ہیں جو روز ٹی وی پر دکھا دی جاتی ہیں۔ "یو این بے بس ہے" پھر امریکہ نے ڈرامہ لگایا کہ ہم طیاروں سے امدادی سامان گرا رہے ہیں مجھے تو یہ بھی صرف میڈیا کے لئے "شوٹنگ" لگتی ہے۔ کیونکہ مبینہ طور پر گرایا گیا سامان کسی کو نہیں ملا۔ یہ ڈرامے نیم دلی کے ساتھ احتجاج کرنے والے مسلمان حکمرانوں کی مدد کے لئے ہو رہے ہیں کہ ان کے عوام میں بے چینی نہ بڑھے اور حالات ان حکمرانوں کے لئے خراب نہ ہوں۔

اس دوران شہروں اور قصبوں کو برباد کر کے مسلمانوں کو ملیا میٹ کیا جا رہا ہے۔ چنگیز خان کی "وحشی" افواج تو صرف قتل یا لوٹ مار کرتی تھیں۔ یہ دوزخی درندے بھوک اور پیاس سے تڑپا کے مارتے ہیں۔ بوڑھوں، عورتوں اور بچوں کو سردی میں ٹھٹھرا کے مارتے ہیں۔ اس درندگی کا شکار ہونے والوں کا واحد جرم یہ ہے کہ وہ مسلمان ہیں جو "لبرل" ابھی تک اس غلط فہمی کا شکار ہیں کہ تہذیب یافتہ مغرب صرف اسلامی فنڈامنٹلسٹوں کے خلاف ہے۔ وہ حقیقت کو اس کے اصل روپ میں دیکھیں۔ مغرب نہ "تہذیب یافتہ" ہے اور نہ کسی "لبرل" مسلمان کا دوست، یہ سب حکمت عملی کے چکر ہیں۔ انکی اندرونی لغت میں یہ درج ہے کہ "جو مسلمان ہے وہ فنڈامنٹلسٹ ہے" میں اپنے مذہبی ٹھیکیداروں کی نظر میں خواہ کتنا بھی گناہ گار قرار پاؤں نیو ورلڈ آرڈر میں فنڈامنٹلسٹ ہوں۔ اس کے لئے میرا حکمت یار قاضی حسین احمد ہونا ضروری نہیں۔ صرف نذیر ناجی اور کلمہ گو ہونا کافی ہے۔ اس حوالے سے میری اور حکمت یار کی تقدیر ایک ہے۔ یہ آج کے دور کا جبر ہے۔ میں اپنی تقدیر سے انکار کیسے کروں؟

وہی یو این او بوسنیا میں اپنی بے بسی کا اظہار کر رہی ہے۔ کویت کے مسئلے پر راتوں رات اتنی طاقتور کیسے ہو گئی تھی کہ عراق جیسی فوجی قوت کو تباہ و برباد کر کے رکھدیا۔ صومالیہ میں کون سی قیامت آگئی تھی کہ جو اتنی بڑی تعداد میں وہاں اسلحہ اور افواج اتار دیئے گئے۔ یاد رہے صومالیہ کے ایک بہت چھوٹے حصے میں خانہ جنگی ہو رہی تھی اور سے محض عالمی دباؤ کے ذریعے ہی ختم کرنا ممکن تھا لیکن مسلمانوں کے خلاف نیو ورلڈ آرڈر کے منصوبے پورے کرنے کے لئے خلیج کے بعد افریقہ کے ناکے پر بھی فوجی اڈے قائم کرنا مطلوب تھے۔ لہٰذا وہاں بھی یو این او کو فوراً فوجیں دستیاب ہو گئیں۔ مگر بوسنیا کے لئے نہ تو نیٹو کے پاس فوجی ہیں اور نہ امریکہ کے پاس۔ اور دنیا کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کے لئے جو چند دستے وہاں بھیجے گئے ہیں انہیں بھی فائر کھولنے کی اجازت نہیں۔ ان کی حیثیت

محض تماشائی کی ہے اور سر ب ان کی آنکھوں کے سامنے وحشت و درندگی کے مظاہرے کرتے رہتے ہیں۔ لیکن اسی اقوام متحدہ کی فوجیں صومالیہ میں ہوتی ہیں تو ننگے اور نہتے آدمی پر بھی گولیوں کی بوچھاڑ کر کے اسے بھون دیا جاتا ہے۔

مجھے تو اب یہ دنیا کسی عالمی اصول اور اخلاق کی پابند نظر نہیں آتی۔ جب تک طاقتوں کے دو بلاک تھے تو آپس کے مقابلے کے لئے انہوں نے کچھ نعرے بنا رکھے تھے اور ان کے نام پر اپنے اپنے بلاک کے مفادات کو آگے بڑھاتے تھے مگر جب سے امریکہ کو واحد فوجی قوت کی حیثیت حاصل ہوئی ہے یہ رسمی نعرے بھی باقی نہیں رہے۔ اور دوسری بات جو سامنے آئی وہ یہ ہے کہ اس نئے دور میں مسلمان ملکوں کو بطور خاص نئے عالمی شکاریوں کا ہدف بنا لیا گیا ہے۔ اور میرے خیال میں اس کی واحد وجہ یہ ہے کہ مسلمان ہی اس قابل ہیں جو منظم ہو جائیں تو ایک بڑی قوت میں بدل سکتے ہیں۔ لیکن عالمی شاطروں نے ان کے اتحاد کے راستوں میں اتنی بارودی سرنگیں رکھ دی ہیں کہ مستقبل قریب میں مجھے تو ان کے اتحاد کا خواب شرمندہ تعبیر ہوتا نظر نہیں آتا۔ جب اتنے بڑے پیمانے پر عالمی سازشیں کارفرما ہوں تو افغانستان میں امن قائم کرنے کے لئے ایک معاہدہ طے کرنے میں کامیاب ہو جانا ایک معجزے سے کم نہیں۔

میں اس معاہدے کو ایک اور نظر سے بھی دیکھتا ہوں۔ افغانستان میں برسرپیکار گروہوں کے مابین ہر قسم کے اختلافات موجود تھے۔ یہ اختلافات سیاسی بھی تھے فرقہ وارانہ بھی، نسلی بھی اور لسانی بھی۔ لیکن آخر کار ان پر قابو پا لیا گیا۔ باقی مسلم دنیا کے اختلافات کی نوعیت بھی قریباً وہی ہے اگر اتنا خون بہہ جانے کے باوجود افغان قوم کسی معاہدے تک پہنچ سکتی ہے تو یہی مائیکرو ماڈل باقی کی وسیع تر مسلم دنیا کے لئے مثال کیوں نہیں بن سکتا؟

جیسا کہ میں پہلے عرض کر چکا ہوں مغرب والے اس معاہدے پر بری طرح بے چین ہوں گے اور اسے ناکام بنانے کے لئے وہ گندی سے گندی حرکت کرنے سے بھی گریز نہیں کریں گے۔ یہ بات ان کے لئے قابلِ برداشت ہی نہیں کہ افغانستان میں امن بھی ہو جائے اور وہاں پر موجود اسلحہ کے ذخیرے محفوظ بھی رہ جائیں۔ اپنے مقاصد حاصل کرنے کے لئے وہ کچھ بھی کر سکتے ہیں۔ یہاں تک کہ کسی افغان قائد کی زندگی سے کھیل کر اس کا الزام دوسرے گروہ پر لگایا جا سکتا ہے۔ اور پھر اپنے ایجنٹوں کے ذریعے ابتدائی جھڑپیں کرا کے انہیں تصادم کی آگ میں دھکیلا جا سکتا ہے۔ یہ عالمی شاطر ایران اور سعودی عرب کو بھی افغانستان میں ایک دوسرے کے ساتھ برسرپیکار کرنے کی سازشیں کریں گے اور خود پاکستان بھی ان کی کرم فرمائیوں سے محفوظ نہیں رہ پائے گا۔ نواز شریف کو یہ معاہدہ کرانے کے جرم کی سزا دینے کے لئے کئی حربے استعمال ہوں گے۔ خود پاکستان اور افغانستان کے درمیان بھی غلط فہمیاں پیدا کرنے کی کوشش ہو گی۔ خاص طور پر دوستم کے مسئلے پر کافی چنگاریاں لگائی جا سکتی ہیں۔ پاکستان کی بیوروکریسی میں امریکہ کی زیرِ اثر لابی ابھی تک دوستم کے لئے ہمدردیاں رکھتی ہے یہ شخص خود کچھ نہیں اسے افغان مجاہدین کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا جائے۔ تو وہ اس کے ساتھ اپنی مرضی سے معاملات طے کر لینے کی پوزیشن میں ہیں لیکن امریکی اشاروں پر یہ ممکن ہے کہ پاکستان سے کوئی لابی دوستم کے حق میں مجاہدین پر دباؤ ڈالنے کی کوشش کرے اور اس طرح بگاڑ کی صورت حال پیدا کر دے۔ دوسری طرف احمد شاہ مسعود کو گمراہ کرنے کے لئے بھی کوششیں کی جائیں گی۔ امید تو یہی ہے کہ یہ شیر دل مجاہد مسلمانوں کے اتحاد میں رخنے ڈالنے والی سازشوں کا شکار نہیں

ہوگا۔ اور گلبدین حکمت یار کے ساتھ طالب علمی کے زمانے سے لیکر اب تک کے حساب چکانے کے بجائے مستقبل کی طرف دیکھے گا لیکن دشمن کی طاقت کا بھی غلط اندازہ نہیں کرنا چاہیئے۔

شاید آپ کو یہ دور کی کوڑی نظر آئے لیکن مجھے تو شک ہے کہ عالمی شاطروں نے معاہدہ اسلام آباد پر اپنے ردعمل کا اظہار بمبئی میں کیا کیونکہ عین اس وقت جبکہ پاکستان سے استحکام کی ایک لہر وسطی ایشیاء کی طرف بڑھنے لگے لئے اٹھی، بمبئی میں دھماکے کرا کر بھارت میں ردعمل پیدا کرنے کی کوشش کی گئی تاکہ ادھر سے عدم استحکام کی کوئی لہر پاکستان کی طرف چھوڑی جائے۔ مجھے یہ شک ہے کہ بمبئی کے دھماکے سی آئی اے یا موساد کے کارنامے ہیں اب اس کے جواب میں اول تو بھارتی ہی پاکستان میں جوابی دھماکے کرادیں گے ورنہ ہماری طرف بھی سے یہ خدمت سی آئی اے خود انجام دے گی تاکہ ہم بھارت کو الزام دیں۔ فریب کاری اور سازشوں کی اس بے رحم دنیا میں تیسری دنیا کے لوگ کیا حیثیت اختیار کرتے جارہے ہیں؟

اب فنڈامنٹلزم یا بنیاد پرستی کے خلاف منظم مغربی مہم کا جائزہ لیں۔ یہ اس فلسفے کی پیداوار ہے کہ "پہلے کسی کو برا نام دو اور پھر اسے سزا دے دو"۔ ہم میں سے بہت سے لوگوں نے تو یہ الزام خوشی سے اپنے سر لے لیا ہے حتیٰ کہ چیف جسٹس آف پاکستان نے یہ اعلان کردیا کہ "میں بنیاد پرست مسلمان ہوں"۔ یہ کوئی غور نہیں کرتا کہ اسلام کی تاریخ میں بنیاد پرستی نام کی کوئی شے نہیں ہے۔ یہ عیسائی تاریخ سے جنم لینے والی اصطلاح ہے۔ اسکے مفہوم کا تعین بھی اسی کے حوالے سے ہوتا ہے۔ مولانا زاہد الراشدی جو اب سیاست سے عملاً لاتعلق ہو گئے ہیں ان کے الفاظ ملاحظہ فرمائیں۔ "بنیاد پرست سب سے پہلے ان پادریوں کو کہا گیا جو یورپ میں بادشاہت اور کلیسا کے مظالم کے خلاف جمہوری انقلاب کی جدوجہد کے ادوار میں "بادشاہ" کے ساتھ تھے اور عوام پر بادشاہ اور جاگیردار کے مظالم کی حمایت کرتے تھے"۔

صرف یہی نہیں بلکہ سائنسی مشاہدات اور صنعتی ایجادات سے انکار کر کے ان پر کفر کے فتوے صادر کرتے تھے۔ وہ پادری جدید سائنسی ترقی اور عوامی حقوق کے خلاف فریق بن گئے۔ انہیں تاریخ میں بنیاد پرست کا خطاب ملا اور بادشاہ اور جاگیردار کے ساتھ ساتھ معاشرے پر ان پادریوں کے اقتدار کا سورج بھی ہمیشہ کے لئے غروب ہو گیا۔

آج بھی مغربی لابیاں، عالم اسلام میں دینی بیداری کی تحریکات پر بنیاد پرستی کی پھبتی کستی ہیں تو ان کا مقصد اپنی رائے عامہ کو یہ باور کرانا ہوتا ہے کہ عالم اسلام کے علماء اور دینی رہنما دراصل اسی پادری کی طرح ہیں جسے مغربی رائے عامہ نے تین سو سال قبل مسترد کر دیا تھا۔ مغربی لابیاں ہمیں بنیاد پرست قرار دے کر اپنے ممالک کی رائے عامہ پر خوف مسلط کرنا چاہتی ہیں کہ عوام کو حقوق سے محروم کرنے والا اور سائنسی انکشافات اور ایجادات سے انکار کرنے والا پادری دوبارہ زندہ ہو رہا ہے۔ اس سے بچو اس کو روکو اور اس کو کسی ملک پر مسلط نہ ہونے دو ورنہ تمہارا وہ ظلم اور تاریکی کا دور واپس آجائے گا۔ کیا اسلامی تاریخ میں ایسا کوئی معرکہ ہوا؟ جب مسلمانوں نے علم و سائنس کی شمعیں روشن کیں تو سائنس اور علم دین میں کوئی تفریق نہ تھی بلکہ اسلام تو تسخیر کائنات اور حصول علم کو مومن کی ذمہ داری قرار دیتا ہے اور جب تک اسلام کی یہ حقیقی روح کارفرما رہی خود علماء ہی تحقیق و ترقی کے عمل میں پیش پیش رہے بعد میں ملوکیت کا دور آیا تو بھی بات ہے کہ اس میں سائنس اور صنعت کاری کی کوئی ایسی تحریک ہی

نہیں چلی جس میں علماء بنیاد پرست پادری کا کردار ادا کرتے۔ ہماری تاریخ میں یورپ کے صنعتی انقلاب کے عہد سے ملتا جلتا نہ کوئی عہد ہے اور نہ اس عہد کے رویوں کی نمائندگی کرنے والے کردار! ہمارے زوال کی داستان لمبی ہے۔ اور کرداروں کے نام بھی جدا ہیں۔

میں یہ نہیں کہتا کہ ہمارے علماء نے بنیاد پرست پادریوں والے کام نہیں کئے کہیں نہ کہیں تو سائنس اور ترقی کی مزاحمت ہوئی جو آج ہم پسماندہ ہیں۔ ملوکیت کے قدیم ادوار میں ترقی تو کی سطح اور رفتار زیادہ نہیں تھی پر ترقی کے معیار میں مسلمان بادشاہتیں دوسروں سے بہتر اور خوشحال ہی تھیں۔ یہی خوشحالی ان کی سہل انگاری اور عیش پرستی کا سبب بنی۔ یہی دور یورپ کی صنعتی و سائنسی ایجادات کا تھا۔ نئے ذرائع نقل و حمل اور جدید پیداواری طریقہ کار کی بدولت یہ یورپی مسلم بادشاہ کو زیر کر کے انکے ملکوں کو اپنی کالونیاں یا خود بادشاہ کو پٹھو بنانے میں کامیاب ہو گئیں۔ آبادیات کے اس دور میں علماء کا کردار عوام دوست رہا انہوں نے بیرونی حکمرانوں کی ہر اس کوشش کی مزاحمت کی جس سے وہ مسلمانوں کو ان کے دین اور تہذیب سے دور کرنا چاہتے تھے۔ برصغیر میں علماء کا یہ کردار بڑا نمایاں رہا۔ اس سلسلے میں ایک بات عرض کردوں کہ بعض سائنسی ایجادات کی ان علماء نے مخالفت ضرور کی تھی میں بھی آج اس کا مذاق اڑاتا ہوں لیکن میری ذاتی رائے یہ ہے کہ وہ سامراج کے خلاف ان کی نفرت کا شاخسانہ تھا۔ جسکا اظہار لاؤڈ سپیکر اور کیمرے کی مخالفت کی شکل میں ہوا۔ گاندھی جی نے جدید ملوں کا کپڑا جلا کر لنگوٹی باندھ لی تھی۔ یہ ان کی بنیاد پرستی نہیں بیرونی غلبے کے خلاف اظہار نفرت تھا۔ گاندھی جی کے اپنے دلائل تھے۔ علماء نے اپنے دلائل بنالئے تھے لیکن جس بناء پر وہ یہ کر رہے تھے وہ بنیاد پرستی نہیں بیرونی حکمرانوں کے خلاف ان کا جذبہ نفرت تھا۔ اکبر الٰہ آبادی تو مولانا بھی نہیں تھے وہ بھی مغربی تہذیب کی علامتوں کی بھد اڑاتے تھے۔ درحقیقت ہر قوم کے اپنے تاریخی حوالے ہوتے ہیں اور عمل اور رد عمل کے مفہوم کا تعین بھی انہی حوالوں کے پس منظر میں کیا جاسکتا ہے۔

۵۰ء کے عشرے میں جب کمیونزم کے ساتھ طویل نظریاتی جنگ کا منصوبہ تیار کیا گیا تو مسلم دنیا کو اس کے خلاف صف آراء کرنے کے لئے اسلام کا نام استعمال کرنے کا فیصلہ ہوا۔ اب یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ اس دور میں اسلام کے نام پر ہمارے حلیف بننے والے حقیقت میں اسلام کے کتنے دوست تھے؟ اب تو جماعت اسلامی اور اخوان المسلمین کو بھی یہ بتانے کی ضرورت نہیں رہ گئی کہ اسلام کی حقیقی دشمن مغربی قوتیں ہیں تو پھر کیوں نہ شک کیا جائے؟ جب اس دشمن نے اپنی ضرورت کے تحت ہمارے حلیف کا سوانگ بھرا تھا تو اس وقت بھی وہ ہمارا خیر خواہ کبھی نہیں رہا۔ بلکہ بد خواہ ہی رہا۔ عرب تو ناصر ازم کی لپیٹ میں آکر روس کے بلاک میں چلے گئے تھے۔ پاکستان نے کیا کیا تھا؟ ہم تو فوجی معاہدوں میں بھی شامل ہوئے اور ملک میں جس نے ان کی مخالفت کی اس کا بھرتہ بھی بنایا لیکن پاکستان کو کبھی تین ہفتے سے زیادہ کی جنگی اہلیت کے قابل نہیں بنایا گیا مدعا یہ کہ روس آیا تو اتنی دیر میں ہم خود آجائیں گے۔ بھارت نے حملہ کیا تو خود بھگتو۔ آپ نے دیکھا کہ ہر جنگ میں یہی ہوا۔

بھارت کے ساتھ امریکہ اور یورپ نے کبھی تعلقات میں کمی نہیں کی۔ حالانکہ وہ سوویت یونین کا حلیف تھا اور غیر جانبداری کے نام پر تیسری دنیا کے بیشتر ملکوں کو سوویت لائن پر لگائے رکھتا تھا۔

حد یہ کہ اس نے سوویت یونین کے ساتھ فوجی معاہدہ کر کے پاکستان پر حملہ کیا لیکن امریکہ نے پاکستان کو دو لخت کرنے میں ان کی مدد کی۔ دشمنی کی اس سے بڑی مثال کیا ہو سکتی ہے؟ کہ اپنے دشمن سے اپنے حلیف کی گردن کٹوا دی جائے۔

پھر جب افغانستان کا سوال پیدا ہوا تو پاکستان پھر یاد آیا۔ ہم تو نالائق تھے دوبارہ حاضر ہو گئے لیکن تاریخ کم کو معاف نہیں کرتی۔ جہاد افغانستان وہ موسیٰ بن گیا جس نے امریکی فرعون کے گھر میں پرورش پانا شروع کی۔

اسلام کے حقیقی دشمن نے جب کمیونزم کے خلاف اسلامی دنیا کو منظم کرنے کے لئے اس کے دوست کا روپ دھارا تو ساتھ ہی یہ اندیشہ بھی پیدا ہوا کہ یہ پسماندہ مگر پرعزم لوگ حقیقی اسلام کی طرف چلے گئے تو کمیونزم کے بجائے ہم پر نہ چڑھ دوڑیں؟ یہ پسماندگی برقرار رکھنے کے لئے بڑے اہتمام کئے گئے۔

بیشتر حالتوں میں آمریتیں مسلط کر کے رکھی گئیں۔

ایسے مذہبی اداروں کو فنڈز دیئے گئے جو مسلم معاشروں میں سیاست اور مذہب کے نام پر نفاق پیدا کریں اور انہیں منظم نہ ہونے دیں۔

ان کا تنظیمی نظام بہر قیمت تباہ کیا جائے۔ دین و سیاست کو الگ کرنے کے تصور دیئے گئے اور کمیونزم کے خلاف اپنا مقصد نکالنے کے لادینیت کے نام پر بربنائے عقیدہ اس کی مخالفت منظم کی گئی۔ اسلام کے نام پر ایسے گروہوں کی مالی مدد کی گئی جو معاشروں کی تنظیم و ترقی میں مزاحم ہوتے رہیں۔ میں نام لے کر کسی کا دل نہیں دکھانا چاہتا۔ اب تو وہ خود زخم خوردہ ہیں اور کمیں گاہ کی طرف دیکھ کر اپنے ہی دوستوں سے ملاقات کر چکے ہیں۔ لیکن خود اپنے ملک میں ان حقیقی دشمنوں کی وہ کارروائیاں یاد کر لیں جو اس نے بطور حلیف یہاں پر اپنے زیر اثر بلکہ فریب خوردوں کے ذریعے منظم کیں۔

تعلیمی اداروں میں بدنظمی پیدا کر کے نظام درہم برہم کر دیا گیا۔ یہ وہ نقصان ہے جس کی ہم نصف صدی تک تلافی نہیں کر پائیں گے اور اگر بیرونِ ملک سے تعلیم یافتہ محب الوطن پاکستانیوں کو واپس لانے کے لے کوئی مؤثر کارروائی نہ ہوئی تو اگلے بیس برس میں ہنر اور اہلیت کے اعتبار سے افریقی معیار کا ملک بننے کے لئے تیار رہیے۔

دوسری طرف مذہب کے نام پر صرف ماضی کے اوراق کی الٹ پھیر کرنے والے مدرسوں کو مدد دی گئی تاکہ ان میں صرف "روبوٹ" تیار ہوں۔ جو ایک اشارے پر بوقت ضرورت سماجی نظام کو درہم برہم کر سکیں۔ یہاں مجھے مولانا مفتی محمد شفیع کا تحریر کردہ ایک واقعہ یاد آرہا ہے جو اس کالم کی خاطر مطالعے کے دوران نظر سے گزرا۔ فرماتے ہیں۔

"ایک اہم واقعہ بھی آپکے گوش گزار کروں جو اہم بھی ہے اور عبرت خیز بھی۔ قادیان میں ہر سال ہمارا جلسہ ہوا کرتا تھا اور سیدی حضرت مولانا محمد انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی اس میں شرکت فرمایا کرتے تھے۔ ایک سال اسی جلسہ پر تشریف لائے میں بھی آپ کے ساتھ تھا۔ ایک صبح نماز فجر کے وقت اندھیرے میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ حضرت سر پکڑے ہوئے بہت مغموم بیٹھے ہیں۔ میں نے پوچھا حضرت کیسا مزاج ہے؟

کہا ہاں! ٹھیک ہی ہے میاں! مزاج کیا پوچھتے ہو؟ عمر ضائع کر دی"۔

میں نے عرض کیا "حضرت! آپ کی ساری عمر علم کی خدمت میں دین کی اشاعت میں گزری ہے ہزاروں

آپ کے شاگرد علماء ہیں مشاہیر ہیں جو آپ سے مستفید ہوئے اور خدمت دین میں لگے ہوئے ہیں۔ آپ کی عمر اگر ضائع ہوئی تو پھر کس کی عمر کام میں لگی؟

فرمایا: "میں تمہیں صحیح کہتا ہوں عمر ضائع کر دی!"

میں نے عرض کیا "حضرت کیا بات ہے؟"

فرمایا: "ہماری عمر کا ہماری تقریروں کا ہماری ساری کدو کاوش کا خلاصہ یہ رہا ہے کہ دوسرے مسلکوں پر حنفیت کی ترجیح قائم کر دیں امام ابو حنیفہؒ کے مسائل کے دلائل تلاش کریں اور دوسرے ائمہ کے مسائل پر آپ کے مسلک کی ترجیح ثابت کریں۔ یہ رہا ہے محور ہماری کوششوں کا۔ تقریروں کا اور علمی زندگی کا۔۔۔۔ اب غور کرتا ہوں تو دیکھتا ہوں کہ کس چیز میں عمر برباد کی؟ ابو حنیفہؒ ہماری ترجیح کے محتاج ہیں کہ ہم ان پر کوئی احسان کریں؟ ان کو اللہ تعالیٰ نے جو مقام دیا ہے وہ مقام لوگوں سے خود اپنا لوہا منوائے گا۔ وہ تو ہمارے محتاج نہیں۔۔۔۔ اور امام شافعیؒ مالکؒ اور احمد بن حنبلؒ اور دوسرے مسلک کے فقہاء جن کے مقابلے میں ہم یہ ترجیح قائم کرتے آئے ہیں کیا حاصل ہے اس کا؟ اس کے سوا کچھ نہیں کہ ہم زیادہ سے زیادہ اپنے مسلک کو صواب محتمل الخطاء (درست مسلک جس میں خطاء کا احتمال موجود ہے) ثابت کر دیں اور دوسرے مسلک کے "خطاء محتمل الصواب" (غلط مسلک جس کو حق ہونے کا احتمال موجود ہے) کہیں اس سے آگے کوئی نتیجہ نہیں ان تمام بحثوں اور تحقیقات کا جن میں ہم مصروف ہیں"۔

پھر فرمایا: "ارے میاں! اس کا تو کہیں حشر میں بھی راز نہیں کھلے گا کہ کونسا مسلک صواب تھا اور کونسا خطاء۔ اجتہادی مسائل صرف یہی نہیں کہ دنیا میں ان کا فیصلہ نہیں ہو سکتا۔ دنیا میں بھی ہم تمام تر تحقیق و کاوش کے بعد یہی کہہ سکتے ہیں کہ یہ بھی صحیح ہے اور وہ بھی صحیح یا یہ کہ یہ صحیح ہے لیکن احتمال موجود ہے کہ یہ خطا ہو اور وہ خطا ہے اس احتمال کے ساتھ کہ صواب ہو۔ دنیا میں تو یہ ہے ہی قبر میں بھی منکر نکیر نہیں پوچھیں گے کہ رفع یدین حق تھا یا ترک رفع یدین حق تھا؟ آمین بالجہر حق تھی یا بالسر حق تھی؟ برزخ میں بھی اسکے متعلق سوال نہیں کیا جائے گا اور قبر میں بھی یہ سوال نہیں ہوگا"۔

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ یہ تھے۔

"اللہ تعالیٰ شافعیؒ کو رسوا کرے گا نہ ابو حنیفہؒ کو نہ مالکؒ کو نہ احمد بن حنبلؒ کو جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کے علم کا انعام دیا ہے۔ جن کے ساتھ اپنی مخلوق کے بہت بڑے حصے کو لگا دیا ہے۔ جنہوں نے نور ہدایت چار سو پھیلایا ہے۔ جن کی زندگیاں سنت کا نور پھیلانے میں گزریں۔ اللہ تعالیٰ ان میں سے کسی کو رسوا نہیں کرے گا۔ کہ وہاں میدانِ حشر میں کھڑا کر کے یہ معلوم کرے کہ ابو حنیفہ نے صحیح کہا تھا یا شافعی نے غلط کہا تھا؟ اس کے برعکس یہ نہیں ہوگا۔۔۔۔ تو جس چیز کو نہ دنیا میں کہیں نکھرنا ہے نہ برزخ میں نہ محشر میں اسی کے پیچھے پڑ کر ہم نے اپنی عمر ضائع کر دی۔ اپنی قوت صرف کر دی اور جو صحیح اسلام کی دعوت تھی مجمع علیہ اور سبھی کے مابین جو مسائل متفقہ تھے اور دین کی جو ضروریات سبھی کے نزدیک اہم تھیں جن کی دعوت انبیاء کرام لے کر آئے تھے۔ جن کی دعوت کا ہمیں حکم دیا گیا تھا اور وہ منکرات جن کو مٹانے کی کوشش ہم پر فرض کی گئی تھی۔ آج یہ دعوت تو نہیں دی جا رہی۔

یہ ضروریات ... تو لوگوں کی نگاہوں سے اوجھل ہو رہی ہیں اور اپنے و اغیار ان کے چہرے کو مسخ کر ... ہے ہیں۔ اور وہ منکرات جن ... نے میں ہمیں لگے ہونا چاہیئے تھا وہ پھیل رہے ہیں۔ گمراہی پھیل رہی ہے۔ الحاد آرہا ہے، شرک و بت پرستی چل رہی ہے، حرام و حلال کا امتیاز اٹھ رہا ہے لیکن ہم لگے ہوئے ہیں ان فرعی و فروعی بحثوں میں"۔

ایک سچے، دیندار اور امت کی محبت میں سرشار عالم دین کے یہ لفظ دل کو درد سے بھر دیتے ہیں۔ ... یہ بھی عرض کرتا چلوں کہ دین اسلام کا عالم بنیاد پرست ہو ہی نہیں سکتا۔ یہ تو ہمارے ساتھ خباثت کی ... ہے کہ عیسائیت کی تاریخ میں تہذیب و ترقی کے دشمنوں کے لئے جو اصطلاح جائز طور پر استعمال ہوئی اسے ہمارے علماء کے سر منڈھ دیا گیا۔ ان کے تو معاندانہ سیاسی مقاصد ہیں۔ ہم اس فریب میں کیوں آئیں۔

اس کے بعد ایک اور چیز دیکھیں کہ ایوب خان جنہیں سیاسی نظام درہم برہم کر کے پاکستان کو پسماندہ رکھنے کی خاطر لایا گیا تھا ان کے دور میں پاکستان صنعتی ترقی کی راہ پر گامزن ہوا تو وہی مذہبی پارٹی ان کی مخالفت میں سرگرم ہو گئی۔ ستم یہ کہ بعد میں ترقی پسندی کے نام پر بھٹو صاحب بھی اسی کام پر لگے۔ جنوبی کوریا بھی حلیف تھا۔ اس کی ترقی گوارا کر لی گئی۔ لیکن پاکستان چونکہ مسلم ملک تھا اس کی صنعتی ترقی کا پہیہ الٹا گھمانے کا فیصلہ کیا گیا۔ بتانا یہ تھا کہ بظاہر مغرب ہمارا حلیف تھا۔ حقیقت میں دشمن تھا اور ہے ورلڈ ٹریڈ سنٹر میں دھماکے کرنے والے گرنیاڈا سے لے کر پاناما تک کہیں سے بھی آسکتے تھے۔ لاطینی امریکہ کے ڈرگ لارڈز کیا نہیں کر سکتے؟ خود نیویارک کے اندر ابھی سب سے بڑا مافیا چیف قابو کیا گیا ہے۔ وہ واردات کرا سکتا ہے۔ لاس اینجلز میں اتنی قتل و غارت گری ہوئی وہاں کا کوئی تباہ حال انتقامی کارروائی کر سکتا تھا۔ لیکن پولیس کی طرف سے کسی قسم کی تحقیق بلکہ اشارے سے بھی پہلے سارے میڈیا نے مسلمانوں ہی کا نام کیوں لیا؟ اور پھر میڈیا کی "ہدایات" کے مطابق ساری تفتیش کا رخ مسلمانوں کی طرف ہی کیوں ہو گیا؟

بشکریہ روزنامہ "نوائے وقت" ملتان

تحریک آزادی کے نامور رہنما اور صاحب طرز ادیب مفکر احرار چودھری افضل حق کی خودنوشت سوانح

میرا افسانہ

چالیس برس بعد دوبارہ شائع ہو گئی ہے

○ میرا افسانہ ○ ایک عہد اور ایک زمانے کی سوانح ○ آزادی کے مجاہدوں کا تذکرہ

کمپیوٹر کتابت، اعلیٰ طباعت، خوبصورت جلد صفحات ۲۰۸ قیمت ۱۱۰ روپے

شیخ حبیب الرحمٰن بٹالوی

موت کے سائے

"قبر کے چوکھٹے خالی ہیں انہیں مت بھولو!
جانے کب کون سی تصویر لگا دی جائے"

فروری کی ایک شام کا ذکر ہے میں بھاگم بھاگ گھر پہنچا کہ کھانا کھا کر ایک دوست کے ہاں جانا تھا۔ بیوی نے کہا۔ "ہمسائے میں جوان آدمی مر گیا ہے۔ مغرب کے بعد جنازہ ہے۔"

میرے گھر کے بائیں طرف چار کوارٹر نما مکان ہیں۔ جن کے مکین اکثر بدلتے رہتے ہیں۔ ان میں سے ایک میں ابھی ایک مہینہ پہلے نئے کرایہ دار آئے تھے۔ میاں بیوی اور تین چھوٹے چھوٹے بچے۔۔۔۔۔۔ میاں رکشہ چلا کر گھر کا گزارہ پورا کرتا۔ گھر میں جیسی تیسی غربت میں بھی سکون کے ساتھ گزر رہی تھی۔ کہ ایک دن دوپہر کے وقت موت کا بلاوا آ گیا۔ دل کا دورہ جان لیوا ثابت ہوا۔ اچھا بھلا گھر ماتم کدہ بن گیا۔ چھوٹے چھوٹے بچے بلک رہے تھے۔ رو رہے تھے۔ "ابا، ابا" کر رہے تھے مگر جواب دینے والا بہت دُور جا چکا تھا اور۔

"جاتے ہوئے چہرے تو دیکھے ان غم دیدہ آنکھوں نے
آج تلک پیغام نہ آیا روٹھ کے جانے والوں کا!"

بیوی نے بتایا کہ گھر کی فضا میں ایک اُداسی اور ماحول میں ایک وحشت ہے۔ مرحوم کی بیوہ کو کوئی ہوش نہیں۔ سر پہ دوپٹہ ہے نہ بچوں کا خیال۔۔۔۔ عورتیں اس کے بچے اس کے سامنے کرتی ہیں۔ انہیں پہچانتی تک نہیں۔ جنازے پہ بیٹھی ہاتھ مل رہی ہے اور اپنی زبان میں ایک ہی بات کہے جاتی ہے۔ "کائی شے نئیں بچی" "کائی شے نئیں بچی"۔ (کوئی چیز نہیں بچی۔ کوئی چیز نہیں بچی)

اللہ بے نیاز ہے۔۔۔۔ بے پرواہ ہے۔۔۔ وہ مالک ہے اور کھیتی کا مالک بہتر جانتا ہے۔ کون سا پودا پہلے کاٹنا ہے اور کون سا بعد میں۔۔۔ وہ جو چاہے کرے اسے کوئی نہیں پوچھ سکتا وہ سب سے پوچھ سکتا ہے۔۔۔۔! اسی نے ہمیں بتایا ہے۔ کہ یہ دنیا ایک امتحان گاہ ہے۔ ایک آزمائش ہے۔ اور اس سے صرف ایک مقررہ مدت تک فائدہ اٹھانا ہے اور ہمیشہ کی زندگی آخرت کی زندگی ہے۔۔۔ اور۔۔۔۔ کیا تم صرف یہ کہہ کر چھوٹ جاؤ گے کہ "ہم مسلمان ہیں"۔۔۔ نہیں۔۔۔ بلکہ میں مختلف تکلیفیں دے دے کر تمہیں آزماؤں گا۔ پھر دیکھوں گا۔ تم میں کون اپنے قول کا سچا اور کون جھوٹا ہے۔۔۔۔ موت ہر آدمی کے سر پر ہر وقت منڈلا رہی ہے۔ پتہ نہیں کس وقت کس کو ڈھیر کر دے! کوئی پہلے جا رہا ہے کوئی بعد میں۔۔۔!

ایک جنازہ جا رہا تھا۔ کسی نے ایک بزرگ سے پوچھا "کس کا جنازہ جا رہا ہے؟" اس بزرگ نے جواب دیا۔ "اپنا سمجھ لو یا میرا" کہ ایک دن اسی طرح اسی تابوت میں جنازے کی صورت میں لوگ ہمیں لے جا رہے ہوں گے۔ اور سب سے زیادہ تعجب کی بات یہی ہے کہ ہم روز دوسروں کو مرتے ہوئے دیکھتے ہیں۔ پھر بھی زندگی اس طرح گزارتے ہیں جیسے خود کبھی نہیں مریں گے۔

ایک شخص سڑک پر روتا جا رہا تھا۔ راستے میں ایک بزرگ اُسے ملے۔ اُنہوں نے پوچھا کہ تُو کیوں روتا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ میرا دوست مر گیا ہے۔ بزرگ بولے۔ "تجھ کو پہلے سوچنا چاہیے تھا مرنے والے کے ساتھ دوستی ہی کیوں کی؟ اُس سے دوستی کر، جو کبھی نہیں مرے گا!"

قبرستان کی طرف دیکھو! کتنے حسینوں کی مٹی خراب ہو رہی ہے--- جہاں نہ کوئی امیر ہے نہ فقیر--- نہ شاہ ہے گدا۔ نہ افسر ہے نہ ماتحت، نہ ملازم ہے نہ آقا--- جہاں نہ کوئی حسین آگاہی ہے نہ صدر بازار ہے---- نہ کوئی انار کلی ہے نہ مال روڈ---- وہاں صرف ایک ہی روڈ ہے۔ جو اعمال و افعال کی راہ سے شروع ہو کر جزاء و سزا کے موڑ پہ ختم ہو جاتی ہے۔

سلطان سنجر قبرستان سے گزر رہا تھا۔ کہ ایک مجذوب کو دیکھا کہ ہر قبر کو بڑے غور سے دیکھ رہا ہے۔ پوچھا--- بابا! کیا دیکھ رہے ہو؟ بولا۔ اس قبرستان میں شاہ و گدا سبھی دفن ہوئے ہیں۔ دیکھ رہا ہوں۔ کیا اب بھی ان میں فرق ہے!

خراسان کے بادشاہوں میں ایک نے سلطان سبکتگین کو خواب میں دیکھا کہ اس کا تمام جسم ریزہ ریزہ ہو چکا تھا لیکن اس کی آنکھیں ابھی تک اپنے حلقوں میں گردش کر رہی تھیں اور باقاعدہ اِدھر اُدھر دیکھ رہی تھیں۔ تمام عقل مند اس خواب کی تعبیر بتانے سے عاجز آ گئے۔ آخر ایک درویش نے اس کی تعبیر بتائی۔ اس نے کہا "اس کی آنکھیں ابھی تک دیکھ رہی ہیں۔ کہ اس کا ملک اب دوسروں کے قبضے میں ہے۔"

یہ آدمی کا جسم کیا ہے جس پہ شیدا ہے جہاں
ایک مٹی کی عمارت ایک مٹی کا مکاں
خون کا گارا بنا اور اینٹ اس میں ہڈیاں
چند سانسوں پہ کھڑا ہے یہ خیالی آسماں
موت کی پُر زور آندھی جس گھڑی ٹکرائے گی
دیکھ لینا یہ عمارت خاک میں مل جائے گی!

علم و ادب اور تاریخ و سیرت سے دلچسپی رکھنے والے باذوق قارئین کے مطالعہ کیلئے دو اہم کتابیں

فدائے احرار، عظیم مجاہد آزادی
مولانا محمد گُل شیر شہید
مؤلف محمد عمر فاروق : قیمت /۱۵۰ روپے

صاحب طرز ادیب، مفکر احرار
چودھری افضل حق رحمہ اللہ کی
نایاب اور اہم کتاب "شعور"
قیمت — ۳۵ روپے

تذکرۂ اکابر احرار

محترم سعید الرحمن علوی

فدائے احرار مولانا محمد گل شیر شہید رحمۃ اللہ علیہ

میرے والد بزرگوار مولانا محمد رمضان علوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی عملی زندگی لگ بھگ ۱۹۴۱ء سے ۱۹۵۰ء تک ایسے گزری کہ چاروں طرف ضلع سرگودھا سابقہ شاہ پور کی معروف نون فیملی کا اثر و رسوخ تھا اور سیاسی و معاشی ہر لحاظ سے اس برادری کی گرفت مضبوط تھی۔ ۱۸۵۷ء کے پریشان کن حالات میں انگریز بہادر نے اپنی مصالح کے لئے جن خاندانوں کو نوازا اور ان پر نظرِ شفقت رکھی ان میں یہ خاندان بھی تھا۔ "رؤساء پنجاب" کے علاوہ ایم شبلی مرحوم کی کتاب "پاکستان کے دیہہ خدا" میں بھی اس کی تفصیل مل جائے گی۔ روایتی یونی نسٹ حضرات ۱۹۴۷ء قریب آتا دیکھ کر اور اپنے آقائے ولی نعمت انگریز کا اشارہ پا کر اب تیزی سے مشرف بہ مسلم لیگ ہو رہے تھے اور ہر طرف پاکستان پاکستان کا شور بلند تھا۔ ابا جانؒ درویش خدا مست تھے۔ دیو بند کی درسگاہ سے ان کا علمی رشتہ تھا۔ اور مجلسِ احرار سے وابستگی، مجلس کے روحِ رواں حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری انہیں اپنے بچوں کی طرح چاہتے اور ابا جان بھی شاہ جی پر دل و جان سے فدا تھے۔ ایسے میں ممکن نہ تھا کہ وہ سامراجی قوتوں کی بندر بانٹ کی پالیسی کے حامی ہوتے۔ وہ بڑی استقامت اور بلند حوصلگی کے ساتھ اپنے سیاسی سفر پر رواں دواں تھے اور اپنے موقف پر ڈٹے ہوئے۔ علاقہ کے وہ خوشامدی عناصر جو بڑے نام نہاد وڈیروں کی خوشنودی کا بہت لحاظ رکھتے تھے ایک "ملا" کی اس جسارت پر بڑے برافروختہ تھے۔ انہوں نے ملک صاحبان کے کان بھرے کہ مولوی ہو کر سرکار کے سیاسی موقف کا دشمن ہے۔ ان احمقوں کو معلوم نہ تھا کہ "مولوی" تو کہتے ہیں "اللہ والے" کو، سرکار پرست کو نہیں۔ بہرحال ملک صاحبان نے سنا تو پیچ و تاب کھا کر رہ گئے۔ محاسبہ کریں تو کیسے؟ اس درویش کا دامن پاک و صاف تھا اور وہ اللہ تعالیٰ کے فضل اور اپنے گھریلو اور علمی اکابر و اساتذہ کی حُسن تربیت کے صدقہ، ہر تہمت سے پاک، اس لئے اس پر انگلی اٹھانا ممکن نہ تھا۔ لیکن شیطان بھی تو اپنے دوستوں کو مُفت کے مشوروں سے نوازتا ہے۔ ایسے ہی مشوروں سے متاثر ہو کر ملک فیروز خان نون مرحوم کے ایک قریبی عزیز نے ابا جان سے بحث کی ٹھان لی۔ ڈھیر سارے خوشامدی اکٹھے کر لئے۔ ایک طرح کی مجلس مناظرہ کا اہتمام کر لیا گیا لیکن یکطرفہ، کہ والد گرامی تو تنہا تھے لیکن نہیں صاحب اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ تھا۔ سیاسی مسائل پر بحث شروع ہوئی تو بات مسلم لیگ اور اس کے قائد مسٹر محمد علی جناح اور پاکستان پر آ کر ٹھہری۔ ابا جان نے کہا "ملک صاحب! آپ کا پورا علاقہ تو پہلے ہی پاکستان کہلانے کا مستحق ہے کہ مسلمان عظیم اکثریت میں ہیں اور سب کچھ آپ کے پاس ہے لیکن حیرت ہوتی ہے کہ آپ مسلمانوں سے ہمدردی کا یہ عالم ہے کہ اپنی چھوٹی بڑی ملازمتوں پر آپ نے ہندوؤں کو مقرر کر رکھا ہے۔ مٹھی بھر ہندو جو یہاں بستے ہیں آپ کے کرتا دھرتا ہیں اور آپ کے فیض سے خوب فیض یاب ہو رہے ہیں۔ مسلمان بے چارہ منہ ہی تکتا رہتا ہے۔ وہ ہے تو محض آپ کے گھوڑے کے خرخرے کے لئے۔ شکار کے کتے کو نہلانے کے لئے اور ایسی ہی

مقدس ذریات کے لئے؟ اس کا سبب کیا ہے"؟ ملک صاحب بہت ذہین و فطین تھے۔ لیکن "مولوی" کے جال میں پھنس کر رہ گئے جواب دیا تو یہ کہ:

"مولانا صاحب! کیا کریں ہندو دیانت دار اور مسلمان بد دیانت"۔

مولانا نے فرمایا، واہ خوب، تھوڑے بہت "دیانت دار" تو آپ کو میسر ہیں اور جن کے ذریعہ آپ کے غلہ کے انبار سلامت رہتے ہیں آپ ان سے بھی اپنے آپ کو محروم کر رہے ہیں اور بد دیانتوں کا باڑہ یہاں بنوانا چاہتے ہیں؟ اس کے بعد آپ کے مسائل کا کیا ہوگا؟ ملک صاحب شرمندہ و نادم تھے اور ان کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔

اس طول بیان تمہید کا مقصد یہ تھا کہ آپ اس وطن کے وڈیروں کی ذہنیت اور ان کے مزاج و کردار کی ایک جھلک دیکھ لیں جو "قومے فروختند وچہ ارزاں فروختند" کے مصداق بہت سستا قوم کا سودا کرتے "مقامِ عظمت" پر فائز ہوئے اور نسلاً بعد نسل "اُمتِ رسول" پر مسلط ہو کر رہ گئے۔ ماحول ایسا بن گیا کہ محفل، ساقی، چرخ، ہفت طباقی، اوج بخت سب ان کا مقدر افروز پایا۔ ان حالات میں "گل شہیر شہید" جیسے جنونی سامنے آئے انہیں للکار، ان کی سازشیں طشت از بام کیں اور انہیں ناکوں چنے چبوائے تو یہ محض توفیق الٰہی سے ہوا۔ اللہ نے اپنے کرم خاص سے کچھ بندوں کو اس کی توفیق دی کہ وہ اللہ تعالیٰ کی سرزمین پر ہونے والے جبر کے خلاف سینہ سپر ہو جائیں۔ اور سیّدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایران کی زمین پر قدم رکھنے پر جو ارشاد فرمایا تھا کہ:

"ہم اللہ تعالیٰ کی توحید کا علم بلند کرنے اور انسانوں کو انسانوں کی محکومی سے نکالنے کے لئے آئے ہیں"۔

اس کی روشنی میں آگے بڑھ کر حکومت الٰہیہ کیلئے سرگرم عمل ہو جائیں۔ تاکہ اللہ کی زمین پر اللہ کا نام بلند ہو اور "درجہاں محتاج باشد نہ کس" والی شریعت مطہرہ کا علم بلند کر سکیں اس مقصد کیلئے اس دھرتی پر اور بھی بہت سے حلقے قائم ہوئے۔ جماعتیں اُبھریں اور گروپ معرضِ وجود میں آئے۔ لیکن اس حوالے سے "مجلس احرارِ اسلام" کو جو شرف و امتیاز حاصل ہے اس کو جھٹلانا ممکن نہیں۔

رواں صدی کے تیسرے عشرے کے آخری ایام میں لاہور میں "قافلہ احرار" مرتب و منظم ہوا تو ہندوستان بھر کے ایثار پیشہ کارکن اس کے سٹیج پر آ گئے۔ ویسے تو ہندوستان کے ہر خطہ میں ایسے لوگوں کی کمی نہ تھی جو انگریزی مفادات کے لئے سب کچھ کر گزرتے تھے۔ لیکن پنجاب کو انگریز کے "بازوئے شمشیر زن" کی حیثیت حاصل تھی۔ جس کی مائیں ایسے گبھرو جوان جنم دے رہی تھیں جن کی جوانیاں اور قوتیں غیروں کے لئے وقف تھیں۔ ۱۸۵۷ء ہو یا ۱۹۱۴ء کی پہلی جنگ یا دوسری یا کوئی اور موقع۔ یہ جوان اپنی جوانیاں لٹاتے نظر آتے اور ان کے کٹے ہوئے سروں کی سیڑھیوں کے ذریعے اس علاقہ کے وڈیرے انگریز کے دربار میں مزید بلندی و عظمت حاصل کرتے۔ ان کی جائیدادوں میں اضافہ ہوتا، جاگیر بڑھتی اور بہت کچھ ملتا۔ سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس خطہ کو "شومی ہائے کفر آبادِ پنجاب" قرار دیا اور کہا کہ میں نے اس طرح کی "مردود و مرتاب" دھرتی نہیں دیکھی۔ یہاں کے رئیس نواب وہ کتے ہیں جو اپنی قوم کو کاٹ کر کھا رہے ہیں اور نسلاً بعد نسل اپنے اقتدار کے استحکام کی فکر میں ہیں۔ آج جبکہ بیسویں صدی اپنے اختتام کی طرف تیزی سے رواں دواں ہے اور اسلام کی بلندی کے لئے بننے والی واحد نظریاتی مملکت میں "دیہہ خدا" اب بھی مؤثر ہے۔ تو جب احرار کا قافلہ مرتب ہوا اس وقت کیا حال ہو گا؟ ساتھ

سال کا عرصہ گزر گیا اس دوران یہ طبقہ انگریز کی ضرورت رہا۔ بانی پاکستان محمد علی جناح کی جیب میں کھوٹے سکے کی طرح موجود رہا اور اُن کی قیادت کے لئے ناگزیر تو ایوب خان، ذوالفقار علی بھٹو اور ضیاء الحق سب کے لئے یہ طبقہ "اصل سرمایہ" قرار پایا۔ آج یہ حال ہے تو ساٹھ برس قبل اس "سرمایہ" کو چیلنج کرنا کتنا مشکل ہوگا۔ واقعہ یہ ہے کہ ایک بار پھر دنیا چراغِ مصطفوی ﷺ سے شرار بولہبی کی آویز کا تماشہ دیکھ رہی تھی ایک طرف اس سرزمین پر بلال و بوذر کے وارث غریب کارکن اور مولوی تھے تو دوسری طرف پورے خطہ کے "ظالم دیہہ خدا" جن کے لئے اقبال مرحوم نے کہا:

خواجہ از خونِ رگِ مزدور ساز و لعل ناب
از جفائے دہ خدایا کشت دہقاناں خراب

اور اقبال نے یہ بھی واضح کیا کہ اللہ تعالیٰ کس ملت اور قوم کو سروری اور کامیابی سے نوازتا اور کس کو محروم کرتا ہے۔ اس نے کہا

خدا آں ملتے را سروری داد
کہ تقدیرش بدست خویش ----
بہ آں قومے سرو کارے نہ دارد
کہ دہقانش برائے دیگراں کشت

یہاں دیہاتوں میں لوگ اس لئے جیتے ہیں کہ دیہہ خداؤں کے لئے کھیتیاں اگائیں، ان کے غلہ کے انبار بھریں اور ان کے عشرت کدے آباد رہیں۔ اور ضرورت پڑنے پر ان کے مفادات کے لئے اپنی جانیں بھی گنوا دیں۔ آج بھی اس سے ملتا جلتا حال ہے۔ ساٹھ سال قبل کیا ہوگا جب تک اُس دور کے صحیح حالات سامنے نہ ہوں احرار اور گل شیر کی جدوجہد کا اندازہ ممکن نہیں۔ صحافت و ادب کے نام پر کاروبار کرنے والے اور قلم کو بکاؤ مال بنانے والے صحافی، دانشور، ادیب اور نام نہاد مؤرخ اندازہ ہی نہیں کر سکتے کہ اُس دور میں سامراج کے ان مضبوط قلعوں پر بمباری کتنی مشکل اور کتنا جان جوکھوں کا کام تھا۔ آج لوگ سوال کرتے ہیں کہ میرے ضلع کے جڑواں ضلع میانوالی اور اس سے جڑواں اٹک (سابقہ کیمبل پور) کی سرزمین پر "گل شہیر" نے کیا جرم کیا تھا کہ اسے رات کی تاریکی میں اپنے گھر میں موت کی وادیوں میں دھکیل دیا گیا؟ کون سے وہ لوگ تھے جنہوں نے اس کے خون سے ہاتھ رنگے؟ ہم نے اپنے ضلع اور اپنے والد کے حوالہ سے جو واقعہ ابتداء میں بیان کیا اس سے اس خطہ کے جاگیرداروں کی ذہنیت سامنے آجاتی ہے۔ یہ لوگ اپنے خطہ کے بسنے والے ہر شخص کو اپنا غلام قرار دیتے اور ایک ایسی مشین کا پرزہ سمجھتے جس کا کام ان کے لئے وسائل کی فراہمی ہے۔ لیکن آگے چل کر یہ بھی خیال کرتے کہ وسائل فراہم کرنے والوں کا وسائل میں کوئی حصہ نہیں اُن کا کام اُگانا اور تیار کرنا ہے ہمارا کام کھانا اور گلچھرے اُڑانا ہے۔ مالی اور باغباں کا کام یہ ہے کہ وہ گلاب و چنبیلی کے پودے اُگائے اُن کی حفاظت کرے لیکن ان کے پھول ان کی کٹیا کے گلدستہ کی زینت نہیں بن سکتے وہ تو کسی اور ہی کے بنگلے کے گلدستے کی زینت بنتے ہیں۔

مولانا گل شیر شہید جو ضلع اٹک کے ایک دیہات نما قصبہ کے فرد تھے انہیں اس جاگیرزدہ ماحول میں قرآن

کی روشنی میسر آئی تو بقول عطاء اللہ شاہ بخاری ان کے اندر آگ لگ گئی۔ قرآن اقبال کے الفاظ میں خواجہ (مراعات یافتہ طبقات) کے لئے پیغام مرگ ہے۔ قرآن نے انسانوں کو بتلایا کہ تمہارا باپ اور تمہاری ماں ایک تھے۔ کتنے قبیلے، برادریاں مختصر تعارف کا ذریعہ ہیں۔ ان میں عظمت کی کوئی بات نہیں۔ عظمت تو خدا خوفی، تقویٰ اور خدمت انسانیت میں ہے۔ اس سبق سے لوگ ناآشنا تھے۔ مولانا گل شیر کا شجرۂ علمی ایسے لوگوں سے وابستہ تھا جنہوں نے اس دھرتی پر قرآن کی روشنی پھیلائی۔ امام ولی اللہ دہلوی اور ان کے خاندان کی اس کتاب مُبین حوالہ سے خدمات کی ساری تاریخ گل شیر کے ذہن میں تھی۔ اسیرِ فرنگ شیخ الہند مولانا محمود احسن دیوبندی کی وصیت اس کے کانوں میں گونج رہی تھی کہ قرآن کا علم پھیلاؤ تاکہ ذلت سے نجات حاصل ہو۔ قدرت نے اس گبھرو جوان کو علم کی دولت سرمدی عطاء فرمائی۔ لحن داؤد بخشا۔ اس نے خاص لے میں اس ظلمت کدہ میں قرآن کی روشنی پھیلائی۔ بعض بزرگوں سے مجھے معلوم ہوا کہ پورے ہندوستان میں جس طرح سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی قرآن خوانی کا شہرہ تھا اسی طرح اس علاقہ میں مولانا گل شیر کی قرآن خوانی کا چرچا تھا۔ مولانا گل شیر ابتداء میں ایک دیہاتی انداز کے واعظ تھے۔ لیکن مخصوص اسباب نے ان کا رشتہ مجلسِ احرار سے جوڑا تو انہوں نے اپنی تمام تر قدرتی صلاحیتوں کو مظلوم طبقات کی بہتری کے لئے وقف کر دیا۔ مولانا گل شیر ایک مخلص مسلمان تھے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے امتی، علاقہ کا حال یہ تھا کہ ایک شخص کئی کئی ہزار ایکڑ کا مالک تھا میلوں تک ایک ایک جاگیردار کی زمین تھی۔ زرعی، بارانی، چراگاہ، الغرض ہر جگہ اس کا قبضہ تھا۔ مولانا دیکھتے کہ ایک طرف وہ اشخاص تھے بڑی محدود تعداد میں جن کے جوتے چمک دار ہیں لیکن اکثریت ان کی ہے جن کے چہروں تک پر چمک نہیں تو مولانا کا دل بے قرار ہو جاتا۔ انہوں نے قرآن مجید کو ایک زندہ کتاب کے طور پر اس طرح پیش کیا کہ علاقہ کے ستم رسیدہ مسلمان بیدار ہونے لگے۔ انہیں "معرفت ذات" کی سعادت میسر آئی۔ اپنی حیثیت کا اندازہ ہوا۔ اور یہ سبق ملا کہ حقوق مانگنے سے نہیں چھیننے سے میسر آتے ہیں۔ احرار کا نقطۂ نظر یہ تھا اور بالکل صحیح کہ "یہ زمین محض امراء کی جولان گاہ نہیں اس میں غرباء کا بھی حصہ ہے" یہ بات قرآن و سنت کی تعلیم کا نچوڑ تھا۔ مولانا نے اس نچوڑ کو دنیا کے سامنے رکھا تو جاگیردار کے محل میں زلزلہ آگیا۔ ایک نہیں پورے علاقہ میں موجود جاگیردار لرزنے لگے، سوچنے لگے کہ یہی شب و روز رہے تو کل ہمیں مزارع ملے گا نہ مفت کا مزدور، اُدھر یہ ہوا کہ مولانا نے دیکھا کہ علاقہ میں جو تھوڑا بہت کاروباری نظام ہے اس پر غیر مسلم قابض ہیں۔ چونکہ عام مسلمان جاگیرداروں کا قرب غیر مسلموں کو حاصل تھا اسلئے غیر مسلموں کے لئے کاروباری سہولتیں موجود تھیں۔ غریب مسلمان مزارع اور کاشتکار ان سے سودا سلف لیتے لیکن اُدھار اور اس کا نتیجہ آخر میں یہ نکلتا کہ غریب مسلمان کا برائے نام مکان یا ۲، ۴ مرلہ زمین گروی ہو جاتی۔ اس پس منظر میں مولانا نے اپنے علاقہ میں امداد باہمی کے اصول پر مسلمانوں کو تجارتی رخ پر ڈالا۔ اس سے جہاں غیر مسلم حضرات کی ناراضی سامنے آئی وہیں ان کے حقیقی سرپرست نام نہاد مسلمان وڈیرے بھی بگڑے اور انہیں اس بات کا مزید احساس ہوا کہ یہی شب و روز رہے تو علاقہ کے غریب باسی ہمارے ہاتھوں سے نکل جائیں گے۔ وہ اس تمام صورت حال کا ذمہ دار مولانا گل شیر کو قرار دیتے اور یہی چیز بالاخر مولانا کی شہادت کا سبب بنی۔ مولانا شہید ہو گئے گویا انہیں دائمی زندگی میسر آگئی اور آج بھی بڑے بوڑھے ان کے نام پر آبدیدہ ہو جاتے ہیں۔ لیکن جن لوگوں نے ان کے

خون سے ہاتھ رنگے ان میں سب سے عبرت ناک انجام کالا باغ کے نوابوں کا ہوا۔ جو اس سازش کے روح رواں تھے اور اٹک میں ان کی وسیع رشتہ داریاں تھیں۔ آج ملک کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک عوام میں بیداری کی جو لہر ہے اس کا اصل سہرا انہیں شہیدانِ اسلام اور مخلص کارکنانِ ملت کے سر ہے جنہوں نے ہر قسم کی قربانی دے کر ظلم کی زنجیریں توڑیں۔ افسوس کہ وہ قافلہ لٹ گیا اور اس انداز کی جدوجہد نہ رہی بلکہ ان گرامی قدر بزرگوں کے بہت سے نام لیوا ایک خاص قسم کے اسلام کی ترجمانی میں لگ گئے۔ وہی اسلام جو "خواجہ" کا محافظ ہے اور جس میں غریب کے لئے کچھ نہیں لیکن مجھے یقین ہے کہ مولانا مرحوم جیسے ہزاروں مخلص انسانوں کی قربانیاں رنگ لائیں گی اور اس دھرتی پر حریت و مساوات اور انصاف کا سورج ضرور طلوع ہو گا۔

○

واقعۂ کربلا اور اس کا پس منظر

مصنف: مولانا عتیق الرحمن سنبھلی

مقدمہ: مفکر اسلام حضرت مولانا محمد منظور نعمانی

جس میں واقعہ کربلاء سے متعلق افسانوی کہانیوں کی اصل حقیقت سے پردہ اٹھایا گیا ہے
تاریخ و سیرت سے دلچسپی رکھنے والے ہر باذوق قاری کے لئے انتہائی اہم کتاب
قیمت ۶۰ روپے

بخاری اکیڈمی، دار بنی ہاشم مہربان کالونی ملتان

○ راوی پبلشرز۔ الفضل مارکیٹ، اردو بازار لاہور

نمائندگانِ نقیب

رپورٹ: مولانا ابومعاویہ رحمانی

مجلس احرار اسلام نے دین کی سربلندی کیلئے بے پناہ قربانیاں دیں۔
مسجد منزل گاہ سکھر، آج بھی جدوجہد احرار کی گواہی دے رہی ہے۔
جنرل ڈائر کی روحانی اولاد شہداء ختم نبوت کے مشن کو ختم نہیں کر سکتی۔
اسلام کو کامل ضابطۂ حیات ماننے والے ہی اس کا نفاذ کر سکتے ہیں۔
(سید عطاء المؤمن بخاری)

سکھر ایک تاریخی شہر ہے۔ اس شہر سے بہت سی دینی تحریکات کی تاریخ وابستہ ہے۔ خصوصاً "تحریک مسجد منزل گاہ"۔ سکھر کی اس تاریخی مسجد کے تقدس کی حفاظت کے لئے ماضی میں مجلسِ احرارِ اسلام نے تحریک چلائی اور اس میں بے پناہ کامیابی حاصل کی۔ اس تابناک ماضی کی وجہ سے مسجد منزل گاہ سکھر سے احرار کا جذباتی تعلق بھی ہے۔

۲ فروری ۱۹۹۳ء کو مجلسِ احرارِ اسلام کے قائم مقام امیر حضرت سید عطاء المومن بخاری مدظلہ سکھر تشریف لائے۔ اور اس موقع پر انقلاب آفرین خطاب فرمایا۔ ذیل میں شاہ جی کے طویل خطاب کا ایک مختصر مگر ابتدائی وجہ ہدیہ قارئین کیا جارہا ہے۔ انشاء اللہ مکمل خطاب پمفلٹ کی صورت میں عنقریب قارئین کی نذر کیا جائے گا۔ (ادارہ)

خطبۂ مسنونہ کے بعد شاہ جی نے مجلس احرار اسلام کا تعارف کراتے ہوئے کہا: "اس سرزمین پر اللہ کے عاجز بندوں نے اللہ کی مخلوق کی بھلائی مسلمانوں کے وقار کی بلندی دینِ اسلام کے غلبہ و تسلط اور اسکی حاکمیت قائم کرنے کے لئے مسلمانوں کے ایمان و عقیدہ، عزت و آبرو کی حفاظت کے لئے امیرِ شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری، چودھری افضل حق، شیخ حسام الدین، تاج الدین انصاری، مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی اور مولانا گلشیر شہید جیسے مجاہد پیدا کئے۔ ان حضرات نے حضرت علامہ انور شاہ کاشمیری رحمہ اللہ اور دیگر اکابر علماء کی سرپرستی میں یہود و نصاریٰ کی حاکمیت اور غلبہ و تسلط سے ہندوستانی باسیوں کو نجات دلانے کے لئے ۱۹۲۹ء میں اجتماعی جدوجہد کا آغاز کیا۔ انہی اکابر کا کام الحمدللہ اب بھی احرار جاری رکھے ہوئے ہے۔

شاہ جی نے فرمایا کہ آپ کے شہر سکھر میں آج بھی وہ اللہ کا گھر مسجد منزل گاہ کے عنوان سے موجود ہے جو احرار کی تاریخ کی گواہی دے رہا ہے۔ دنیا مٹ جائے گی مگر یہ گواہی ختم نہ ہوگی۔

مجلس احرارِ اسلام اپنے دامن میں تحریک مقدس تحفظ ختم نبوت جیسی عظیم امانت رکھتی ہے جس کے عنوان پر تیرہ ہزار سے زائد مسلمانوں نے اپنے سینوں کو گولیوں سے چھلنی کرایا۔ وقت کے فرعونوں، نمرودوں،

چنگیزوں، اور ہلاکوؤں، ڈائر و ایڈوائر کی روحانی اور معنوی اولاد خواجہ ناظم الدین، جنرل اعظم خان اور ممتاز دولتانہ نے اپنی قوت و جبروت کے بل بوتے پر یہ سمجھا کہ ان نادار و بے کس، تہی دست لوگوں کی لاشوں کو چھانگا مانگا کے جنگلات میں جلا کر اور ان کی خاک کو نہروں میں بہا کر محمد علیہ الصلوٰۃ و اسلام کی ختم نبوت کے مسئلے کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا جائے گا۔ مگر یہ انکی بھول تھی کہ وہ کام، وہ نعرہ، وہ تحریک، وہ عنوان جس میں مسلمانوں کا خون بہہ جائے وہ کبھی ختم نہیں ہوا کرتا۔ وہ پودا ایسا بار آور ہوتا ہے کہ دنیا کی کوئی طاقت اس کو بڑا ہو کر پہنچنے سے روک نہیں سکتی۔ یہ مجلسِ احرار اسلام کی تاریخ ہے اور آج ہم اپنے بزرگوں کی اس محنت کو لے کر آگے بڑھنے کی جدوجہد میں مصروف ہیں۔ الحمد للہ ثم الحمد للہ۔ اپنے بزرگوں کی لاشوں کو تجارت بنانے جیسے ملعون عمل سے آج تک اپنے دامن کو محفوظ رکھا ہے۔ خدا اس عملِ بد سے بچائے۔ ہاں! ایسے بھی موجود ہیں جنہوں نے عطاء اللہ شاہ بخاری کی لاش اور کفن دونوں سے سوداگری کی ہے۔ تجارت کی ہے۔------- باقی

سبو اپنا اپنا ہے جام اپنا اپنا

کیئے جاؤ میخارو کام اپنا اپنا

شاہ جی نے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ آپ مجھے کوئی آدمی ایسا بتا دیجئے کہ وہ کوئی کام کرتا ہو اور اس کی کامیابی اور ناکامی کے اسباب پر غور کرتا ہو۔ پاکستان بنے پینتالیس سال ہوگئے ۴۷ء سے ۹۳ء آگیا ہم سب مسلمان بھائیوں نے مختلف عنوانوں سے اس سرزمین پر اسلام کے نفاذ کی جدوجہد کی۔ کس سرزمین پر؟ جس کو اللہ اور اس کے رسول کے نام پر ہم نے حاصل کیا۔ اس میں دین کے نفاذ کی جدوجہد پینتالیس برس سے جاری ہے۔

سوال صرف اتنا ہے کہ پینتالیس برس کے اس اخلاص وللہیت، علم و شعور تدبر، اور فہم و فراست کی تمام تر توانائیوں کا بھرپور استعمال آج ہمیں کیا نتائج دے رہا ہے۔ میں پوچھنا یہ چاہتا ہوں کہ ہماری سب کی، ہمارے بزرگوں کی اور دین پر جان نچھاور کرنے والوں کی محنتوں کا ثمر آج کیا ہے؟

کیا ہمیں اس کا ثمر یہی ملنا چاہیئے کہ قوم کے نوجوان زنا اور جنسی جنون میں مبتلا ہو جائیں۔ کیا ۴۵ برس کی دینی محنت کا صلہ یہ ہونا چاہیئے کہ امت مسلمہ کے نوجوان سگی بہنوں سے بدکاری شروع کر دیں۔ پاکستان کے کفریہ معاشرہ میں یہ ناممکن اعمال ممکن بنا دیئے گئے ہیں ہمارے قومی اخبارات ان خبروں کے شاہد ہیں۔ وہ دین جس نے عرب چوروں، ڈاکوؤں، زانیوں، شرابیوں کو جو انسانیت کے نام پر غلیظ ترین دھبہ تھے اس سرزمین کے باسی جب اس دین پر آئے تو دنیائے انسانیت کا شرف بن گئے۔ ان کے اشارے کو لوگوں نے حق و صداقت کی علامت سمجھ لیا اس دین پر چلنے سے وہ امین و صادق بن گئے۔

ہم نے اس دین سے منہ موڑا۔ اس کی تہذیب و ثقافت کو قبول کرنے سے انکار کیا۔ یہود و نصاریٰ کی تہذیب و ثقافت، تمدن، نظام ریاست و سیاست سب کچھ انہی کا قبول کیا۔ اسکے بعد اپنے مسلمان ہونے کا دعویٰ بھی کیا۔ نتائج آپ کے سامنے ہیں۔ میں ایک ہی بات کہتا ہوں جب تک اسلام کو ایک کامل ضابطۂ حیات مان کر ہم اس پر عمل پیرا نہیں ہوتے حالات و مسائل یہی رہیں گے بلکہ اس سے بدتر ہوں گے۔

حضرت شاہ جی کے خطاب نے لوگوں کو اپنی گرفت میں جکڑ رکھا تھا تمام مجمع ساکت و جامد اور ہمہ تن گوش تھا کہ اچانک شاہ جی نے یہ کہہ کر گفتگو کا سلسلہ توڑ دیا۔ پھر ملیں گے اگر خدا لایا۔

حافظ کفایت اللہ
حاصل پور

حکومت اور اپوزیشن دینی قوتوں کیخلاف متحد ہیں

مجلسِ احرار اسلام حاصل پور کے سیکرٹری ابوسفیان تائب نے ایک بیان میں کہا ہے کہ پاکستان میں آج تک جتنے بھی حکمران آئے سب نے اپنے اقتدار کو طول دینے کے لئے اسلام کا نام تو استعمال کیا مگر کسی کو بھی عملاً نفاذ اسلام کی توفیق نہ ہو سکی۔ جبکہ موجودہ حکومت بھی یہی کچھ کر رہی ہے۔ حالانکہ پاکستان کی بنیاد ہی نفاذ اسلام کے وعدہ پر ہے۔ انہوں نے کہا کہ جب تک پاکستان میں اسلام کا عادلانہ نظام نافذ نہیں کیا جاتا نہ تو کسی کو انصاف مل سکتا ہے اور نہ ہی ملک میں امن قائم ہو سکتا ہے۔ انہوں نے اس پر انتہائی افسوس کا اظہار کیا۔ کہ جو حکومت مسلم اور غیر مسلم کی پہچان کےلئے شناختی کارڈ میں مذہب کا اندراج کرنے سے بھی لاچار ہو اور اس مسئلہ میں یہود و نصاریٰ، امریکہ و برطانیہ کے دباؤ کا شکار ہو وہ ملک میں اسلامی نظام کیسے نافذ کر سکتی ہے۔ انہوں نے کہا کہ موجودہ حکومت اور اپوزیشن نے دینی قوتوں کے خلاف گٹھ جوڑ کر لیا ہے۔ تا کہ نفاذ اسلام کی راہ میں رکاوٹیں پیدا کی جا سکیں۔

موجودہ حکمران اگر اپنی بہتری اور ملک کی بقاء چاہتے ہیں تو بلاتاخیر نظامِ اسلام کے عملی نفاذ کا اعلان کریں۔ ملک میں روز افزوں بڑھتی ہوئی عریانی، فحاشی اور بے حیائی کے دروازے بند کریں۔ ورنہ بے حیائی کا یہ سیلاب ہماری نئی نسل کو تباہ و برباد کر کے رکھ دے گا۔ انہوں نے کہا کہ اگر اب بھی حصولِ پاکستان کے مقاصد سے انحراف کیا گیا تو پھر ردِ عمل فطری ہے سرفروشانِ اسلام تحریک نفاذ اسلام کا باب اپنے خون سے لکھیں گے اور پاکستان میں نفاذ اسلام کی خاطر کسی قربانی سے دریغ نہیں کریں گے۔ عصرِ حاضر میں جہادِ افغانستان، جہادِ کشمیر اور بوسنیا کی روشن مثالیں امت مسلمہ کےلئے مشعل راہ ہیں۔

انہوں نے کہا کہ حکمرانوں کے اعمال سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ پاکستان کے موجودہ حکمران یہود و نصاریٰ کی تہذیب اور نظامِ ریاست و سیاست کے منادی ہیں۔ امریکہ و برطانیہ کے غلام بے دام ہیں۔ اور انہوں نے کفار و مشرکین کی کلی اطاعت قبول کرلی ہے۔ اگر ایسا ہے تو پھر اللہ کا عذاب قریب ہے۔ پیشتر اسکے کہ حکمرانوں پر عذاب الٰہی نازل ہو جس طرح سابقہ حکمرانوں پر نازل ہوا حکمران توبہ کریں۔ اسلام کا نفاذ کر کے اپنے مسلمان ہونے کا عملی مظاہرہ کریں۔

خطیب اکبر جناب سید عطاء المحسن شاہ بخاری

محسن

م۔ منور می کند علم و عمل را
ح۔ حلاوت ہم متانت ہر کرامت
س۔ سلیم الطبع فیاض و خلیق است
ن۔ نکو کارد چہ حق گو بردبار است
چہ گفتش گفت شیریں بر محل را
سلامت باکرامت تا قیامت
منکر ہم مدبر ہم لئیق است
چہ نعمت نعمت پروردگار است

ابن امیر شریعت سید عطاء المومن بخاری
کی ڈیرہ اسمٰعیل خان تشریف آوری پر

قطعہ تاریخ

م۔ مقاماتِ سلوک حسنِ ارادت
بحمد اللہ عجب حسن جمیت
و۔ وقار خاندان و شانِ عظمت
فسبحان الذی جانِ شریعت
م۔ مثال حضرت میر شریعت
کلام اللہ کند آں نوع تلاوت
ن۔ نکو نام و عجب حسن ارادت
فصیح مثلِ پدر ہم حسنِ نیت
چہ صابر کرد برما حسنِ شفقت
عنایت ہست مومن ایں "بقایت"

عطاء العطا

عطائے حق عجب تر در ایمن
چہ منعم، محسن و مومن مہیمن
عطائے حق بحمد اللہ فراست
فسبحان الذی ادراک و مستی
عطائے حق بہر انداز مشکور
عجب علم و عمل دار و ولایت
عطائے حق بہر نوع حق پرستی
چہار حضرات الا نعمت و نور
ہمہ اوصاف در حضرات مستور
چہ صابر ایں ہمہ نور علیٰ نور

الحاج عبدالکریم صابر ڈیرہ اسمٰعیل خان

مسافرینِ آخرت

ادارہ

قادیان میں اوّلین مبلغ احرار حضرت مولانا عنایت اللہ چشتی انتقال کر گئے

قادیان میں اوّلین مبلغ احرار، مجاہد فی سبیل اللہ حضرت مولانا عنایت اللہ چشتی ۱۷ رمضان المبارک ۱۴۱۳ھ مطابق ۱۲ مارچ ۱۹۹۳ء بروز جمعۃ المبارک چکڑالہ (ضلع میانوالی) میں انتقال کر گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اُن کی عمر ۹۴ سال تھی۔

حضرت مولانا رحمہ اللہ ۱۹۳۰ء کے لگ بھگ مجلسِ احرار اسلام سے وابستہ ہوئے اور اپنی تمام تر صلاحیتوں اور فکری و عملی قوتیں دینِ اسلام مرزائیوں کی تبلیغ و اشاعت اور دشمنانِ اسلام کی سرکوبی خصوصاً کے لئے وقف کر دیں۔ وہ ان مجاہدوں میں سے تھے جنہیں قادیان میں اسلام کے غداروں سے براہِ راست جہاد کرنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ ۱۹۳۴ء میں قادیان میں احرار تبلیغ کانفرنس کے انعقاد اور پھر مستقل طور پر شعبۂ تبلیغ کے قیام کے بعد مجلس نے انہیں قادیان میں بطور مبلغ تعینات کیا۔ انہوں نے انتہائی سچے جذبے کے ساتھ قادیان میں مرزائیوں کا ہر محاذ پر مقابلہ کیا اور احرار کے چراغِ مصطفوی کو روشن کر کے قادیان کے شرارِ بولہبی کو گل کر دیا۔ مولانا مرحوم ایک متقی انسان اور عالم باعمل تھے۔ قادیانیوں کے خلاف اُن کی جدوجہد ہمیشہ یاد رکھی جائے گی۔ اُنکا وجود تاریخ کا اہم حصہ ہی نہیں بلکہ مستقل عنوان ہے۔ اللہ تعالیٰ اُن کی مغفرت فرمائے، درجات بلند فرمائے اور حسنات قبول فرما کر اعلیٰ علیین میں جگہ عطاء فرمائے۔ لواحقین کو صبرِ جمیل عطاء فرمائے۔ (آمین) ادارہ نقیب اور مجلسِ احرارِ اسلام کے تمام اراکین و رہنما مولانا کے لواحقین خصوصاً ان کے فرزند محترم فرخ اقبال صاحب اور دیگر اہلِ خانہ سے اظہارِ تعزیت کرتے ہیں اور اس غم کو اپنا غم تصور کرتے ہیں۔

محترم ایوب خان شیروانی مرحوم ۱۷ رمضان کو نشتر ہسپتال میں میں انتقال کر گئے۔ آپ حضرت امیرِ شریعت رحمہ اللہ کے قدیم نیاز مندوں سے تھے۔ خان گڑھ ضلع مظفر گڑھ میں قیام پذیر تھے۔ نواب زادہ نصر اللہ خان صاحب کے ساتھ قریبی عزیز داری تھی۔ نہایت مخلص، ملنسار، شعر و ادب کے رسیاء اور محبت و شرافت کے صحیح نمونہ تھے۔ ان کی مثالی وضع داری اور دین داری ہمیشہ یاد رہے گی۔

مدرسہ خیر العلوم ملتان کے مہتمم مولانا محمد اسحٰق جالندھری ۶ شوال مطابق ۳۰ مارچ کو ملتان میں انتقال کر گئے۔ مولانا کچھ عرصہ سے عارضۂ قلب میں مبتلا تھے۔ انکی عمر ۵۴ سال تھی۔ وہ ایک محنتی، انتھک اور نہایت صالح انسان تھے۔ تمام عمر دینِ حق کی خدمت میں مصروف رہے۔ مدرسہ خیر العلوم ان کی دینی یادگار ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی دینی خدمت قبول فرمائے (آمین)

مجلسِ احرارِ اسلام ملتان کے قدیم کارکن محترم شیخ حسین اختر صاحب لدھیانوی کے چھوٹے بھائی شیخ نور محمد صاحب ۳ مارچ کو اوکاڑہ میں انتقال کر گئے

مجلسِ احرارِ اسلام ملتان کے کارکن محترم ابومعاویہ بشیر چغتائی کی کم سن بھتیجی ۲۰ مارچ کو انتقال کر گئی۔

مجلسِ احرارِ اسلام شہلی غربی (تحصیل چشتیاں) کے امیر جناب محمد شفیع صاحب کی والدہ ماجدہ گزشتہ دنوں انتقال کر گئیں۔

سکھر سے ہمارے معاون جناب ڈاکٹر عبدالغفار صاحب کے والد گزشتہ ہفتہ انتقال کر گئے۔

مجلس احرار اسلام لاہور کے رکن رانا محمد فاروق صاحب کے بزرگوں میں سے تھے۔

ادارہ نقیبِ ختمِ نبوت کے رکن محمد یوسف کے چچازاد بھائی رحیم بخش صاحب۔ گزشتہ دنوں انتقال کر گئے۔

سابق صوبائی وزیر رانا پھول محمد گزشتہ ماہ طویل علالت کے بعد لاہور میں انتقال کر گئے

اراکین ادارہ تمام مرحومین کے لئے مغفرت کی دعاء کرتے ہیں اور پسماندگان سے اظہارِ تعزیت کرتے ہیں۔

قارئین دعاء مغفرت کا اہتمام فرمائیں

دعائے صحت

جانشین امیر شریعت حضرت مولانا سید ابو معاویہ ابوذر بخاری مدظلہ گزشتہ تین ماہ سے صاحبِ فراش ہیں۔ فالج کے حالیہ حملہ نے ان کی صحت بری طرح متاثر کر دی ہے اور وہ بہت کمزور ہو گئے ہیں۔ حضرت مولانا سید عطاء المحسن بخاری مدظلہ کی اہلیہ محترمہ گزشتہ ایک سال سے مفلوج ہو کر بستر علالت پر ہیں احباب احرار سے خصوصاً او

مجلسِ احرار اسلام کے انتہائی مخلص معاون جناب محمد اشرف صاحب (رام گلی لاہور) گزشتہ دنوں ایک میں شدید زخمی ہو گئے ہیں۔ ان دنوں ہسپتال میں زیرِ علاج ہیں۔

مجلس احرار اسلام سکھر کے سرگرم کارکن جناب ڈاکٹر ھادی بخش صاحب کی والدہ ماجدہ شدید علیل ہیں۔ اور ہسپتال میں زیر علاج ہیں۔

مجلس احرار اسلام ملتان کے قدیم سالار اور حضرت امیر شریعت رحمہ اللہ کے رفیق محترم صوفی عبدالستار صاحب کی بیٹی سخت علیل ہیں۔ قارئین سے عموماً تمام بیماروں کی شفاء اور صحت یابی کیلئے دعاء کی درخواست ہے۔

قارئین تصحیح فرمالیں

۱۔ نقیبِ ختمِ نبوت کے امیر شریعت نمبر میں سیاسی شجرۂ نسب کے زیرِ عنوان مولانا محمد گل شیر شہیدؒ کی قید دس سال تحریر کی گئی ہے جبکہ ان کی مدتِ قید و بند تقریباً اڑھائی برس بنتی ہے۔

۲۔ گزشتہ شمارے میں جناب حفیظ رضا پسروری صاحب نے مولانا شہیدؒ کے متعلق اپنے تاثرات کا اظہار کیا ہے مگر مولانا کی تاریخ شہادت درج کرنے میں انہیں سہو ہوا ہے۔

مولانا گل شیرؒ کی تاریخِ شہادت ۲۳، ۲۴ مئی ۱۹۴۴ء ہے۔

زبانِ خلق

مُدیر کے نام

لندن سے مولانا عتیق الرحمن سنبھلی کا مکتوبِ گرامی

محترم سید کفیل بخاری صاحب۔ سلام مسنون!

ماہنامہ نقیبِ ختمِ نبوت کے امیرِ شریعت نمبر (جلد اول) سے نوازنے کی عنایت آپ نے فرمائی اور اس سے یہ انکشاف ہوا کہ آپ مولانا عطاء المحسن بخاری صاحب کے بھائی نہیں ان کی ہمشیر کے فرزند ہیں۔ اور پھر اسی انکشاف کے ساتھ بچپن کی ایک یاد بھی ذہن میں اُبھری کہ بریلی میں شاہ جی رحمہ اللہ ہمارے مکان پر ایک دفعہ تشریف لائے تھے تو اس سے پہلے یا اُس کے بعد میں نے گھر میں ایک خوبصورت پلنگھڑی (شاید مع تکیے اور بستر کے) دیکھی تو والدہ ماجدہ (مرحومہ) سے پوچھا کہ یہ کس کے لئے ہے؟ انہوں نے مجھے بتایا کہ: "یہ شاہ عطاء اللہ صاحب بخاری کی بیٹی کے لئے تمہارے والد نے منگائی ہے۔ بتاتے ہیں کہ وہ اُن کی بہت چہیتی بیٹی ہیں"۔ یہ تو میں نہیں کہہ سکتا کہ وہ آپ کی والدہ ہی تھیں۔ (۱) میں نے سب سے پہلے آپ کی والدہ ماجدہ کا مضمون پڑھا ہے۔ اللہ اُن کا سایہ آپ بھائیوں پر سلامت رکھے۔ تاہم جن شاہ صاحب کی بیٹی کے لئے میرے والد ماجد (۲) نے اس محبت کا اظہار فرمایا ان کے کسی نواسے بلند اقبال کے لئے میری طرف سے بجز دعائے خیر کے اور کسی چیز کی گنجائش نہیں رہ جاتی۔ بلکہ یہ یاد نہ بھی آتی تب بھی محض یہ انکشاف جو امیرِ شریعت نمبر سے ہوا اس کا بھی حکم ناطق میرے لئے یہی ہوتا۔ کیونکہ ہم لوگوں نے ہمیشہ شاہ جی کے لئے اپنے دلوں میں عزت اور محبت ہی محسوس کی ہے۔

اور پھر ان کی اولاد کے سلسلے میں اس عزت و محبت کا پاس کرنا تو وہ عام انسانی فطرت یا کمزوری ہے کہ اس کے زور پر شعیت کا جادو ہم سنیوں کے سر پہ چڑھ کے بولا ہے۔

امیرِ شریعت نمبر کی دوسری جلد کے لئے کچھ لکھنے کی آپ کی فرمائش میرے لئے اعزاز ہے۔ تین چار بار انہیں دیکھا اور سنا۔ میرا حافظہ بہت خراب ہے تاہم پورے بھروسے کے ساتھ ان کی دو باتیں یاد ہیں۔

ایک۔ بریلی میں جلسے کے دوران میں سالارِ اعظم احرار سے (غالباً محمد لطیف اُن کا نام تھا) اسٹیج ہی سے مخاطب ہو کر باواز بلند فرمانا کہ: "لطیف وردی اتار لوں گا"۔ اور دوسری لکھنؤ کی احرار کانفرنس (غالباً ۱۹۳۶ء) میں (جبکہ میری عمر ۹-۱۰ برس کی ہوگی) اُن کا دورانِ تقریر اپنی داڑھی پر ہاتھ لے جا کر فرمانا کہ: "تمہیں یہ جڑ دار گنا کہاں پسند آئے گا۔ تمہیں تو چھلی گنڈیری چاہیئے"۔

حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا

اللہ تعالیٰ آپ کو خوش رکھے اور دنیاء و آخرت کی کامرانیاں نصیب کرے۔ (آمین)

والسلام
عتیق الرحمن سنبھلی لندن

۱۔ حضرت امیرِ شریعت رحمہ اللہ کی ایک ہی بیٹی زندہ رہیں جو میری والدہ ہیں۔ باقی بیٹیاں کم سنی میں ہی انتقال کر گئی تھیں۔ (مدیر)

۲۔ حضرت مولانا محمد منظور نعمانی مدظلہ۔

محترم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ!

نقیبِ ختمِ نبوت کا امیرِ شریعت نمبر موصول ہوا۔ آپ نے حضرت امیرِ شریعت رحمہ اللہ کے حالاتِ زندگی ہی نہیں بلکہ پوری جدوجہدِ آزادی اور تحریکِ تحفظِ ختمِ نبوت کو نئی نسل میں منتقل کرنے کا اہتمام کیا ہے۔ یہ وقت کی ضرورت بھی تھی اور ہمارا فرض بھی۔ آپ نے اس فرض کو بطورِ احسن پورا کیا۔ ماشاء اللہ ٹائٹل دیدہ زیب اور کتابت معیاری ہے۔ اس سلسلہ میں آپ کی شب و روز کی کوششیں قابلِ ستائش ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزاءِ خیر عطاء فرمائے۔

والسلام

محتاجِ دعاء

امین الدین انصاری (لاہور)

مکرمی۔ السلام علیکم!

امیرِ شریعت نمبر مل گیا۔ آپ نے اس کی ترتیب و اشاعت میں مثالی محنت کی ہے۔ میری طرف سے اور تمام احرار دوستوں کی طرف سے مبارکباد قبول فرمائیں۔ حصہ اوّل کو دیکھ کر اشتیاق بڑھ گیا ہے۔ اللہ کرے آپ حصہ دوم بھی حسبِ وعدہ شائع کر سکیں۔

والسلام

خادمِ احرار ابو مغیرہ۔ عبدالرحیم نیاز

(رحیم یار خان)

محترم۔ السلام علیکم!

سب سے پہلے تو اتنا ضخیم اور جامع "امیرِ شریعت نمبر" شائع کرنے پر دلی مبارکباد قبول فرمائیں۔ جس کے مطالعہ سے حضرت امیرِ شریعت رحمۃ اللہ علیہ کی مبارک زندگی کا قریب قریب ہر گوشہ عیاں ہو گیا ہے۔ پرانے حضرات تو غالباً اُن سے واقف ہوں گے۔ مگر موجودہ نسل کے لئے یہ نمبر خصوصی طور پر حضرت شاہ جی کی روحانی و سیاسی زندگی سے کماحقہ واقفیت کا باعث بنے گا (ان شاء اللہ) مزید برآں حضرت شاہ جی کی ذات والا صفات پر ہر شعبہ ہائے زندگی کے جیّد حضرات کے تبصروں نے اس کو ایک تاریخی دستاویز بنا دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کے زورِ بازو کو مزید ہمت دے اور قلم کو مزید جولانیاں عطاء فرمائے۔ (آمین ثم آمین)

والسلام

طالبِ دعا

محمد اقبال۔ بہاولپور

برادر محترم سید محمد کفیل بخاری صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ!

"امیر شریعت نمبر" موصول ہوا۔ از حد شکر گزار ہوں کہ آپ نے مجھ پر عنایت خاص فرمائی۔ اللہ پاک آپ کو جزائے خیر عطاء فرمائیں۔ نمبر میں آپ کا اداریہ اور محترمہ خالہ جان (بنت امیر شریعت) کا مضمون لاجواب ہیں۔ اگرچہ مضمون اشاعت سے پہلے میری نظر سے گزر چکا تھا لیکن اس کے باوجود میں اسے چار پانچ دفعہ پڑھ چکا ہوں۔ بالخصوص سکھر جیل میں ملاقات کا واقعہ بہت زیادہ اثر انگیز ہے۔ اور اسے پڑھ کر کئی دفعہ پنجابی کا یہ ماہیا بے اختیار زبان پر آیا کہ:

بیری نال بور ہوسی
ساڈے وَل کنڈ کر کے ماہیا رویا ضرور ہوسی

اُن کی شاہ جیؒ سے روح کی گہرائیوں میں ڈوبی ہوئی اٹوٹ محبت پورے مضمون پر جابجا پھیلی ہوئی نظر آتی ہے۔ پھر حافظہ ایسی نعمت خداداد کا بھرپور اظہار اور اس پر اسلوب نگارش مستزاد ہے۔ اللہ پاک انہیں صحت کاملہ عاجلہ سے نوازے اور اُن کا سایہ تادیر ہمارے سروں پر سلامت رکھے (آمین)۔ میں پہلے بھی کئی دفعہ آپ سے گذارش کر چکا ہوں اور اب بھی دست بستہ ملتجی ہوں کہ:

"خدارا! ان کی یادداشتوں کو محفوظ کرنے کا اہتمام کریں۔ شاہ جیؒ سے وابستہ یادیں اور مجلس احرار اسلام اور اکابر احرار سے متعلق حالات وواقعات کا ایسا ذخیرہ ہمیں کہاں سے میسر آئے گا۔ اُن کا دم غنیمت ہے اور اُن سے پوری طرح استفادہ کرنے کا اہتمام ہر لحاظ سے ضروری ہے۔

والسلام

محمد عمر فاروق تلہ گنگ

محترمی سیدی کفیل بخاری صاحب

اسلام علیکم ورحمۃ اللہ!

ایشیا کے عظیم خطیب امیر شریعتؒ کی یاد میں نقیب ختم نبوت کا ایڈیشن شاہ جیؒ کی سدا بہار قائدانہ اور سپاہیانہ زندگی پر ایک یادگار شاہکار ہے۔ اس ترتیب واشاعت پر آپ کو اور ادارہ کے تمام رفقاء کو مبارک ہو۔ یہ تاریخ ساز پیشکش نئی نسل اور تاریخ کے مسافروں کے لئے سنگ میل ثابت ہوگی۔ حضرت عطاء المحسن بخاری کی سرپرستی میں نقیب نے صحافت میں اسلامی صحافت کا اچھوتا انداز اختیار کر کے آج کی جدید صحافت کی دنیا میں بہت جلد اپنا ایک اہم مقام تسلیم کروالیا ہے۔ اللہ کرے حق وصداقت کے علمبرداروں کے نقیب ہمیشہ زندہ رہیں۔ اور اللہ آپ کو اور زور قلم بخشے (آمین)

والسلام

آپ کا مخلص منور ضیاء قادری۔

جنرل سیکرٹری یونین آف جرنلسٹس۔ نیشنل پریس کلب، صادق آباد

غزل

وادیٔ عشق میں ہم وحشتِ جاں تک پہنچے
چاہنے والے ترے دیکھ کہاں تک پہنچے

صرف اتنی سی ہے رودادِ سفر اے ہمدم
موسمِ گل سے چلے عہدِ خزاں تک پہنچے

رفعتِ علم و ہنر تم کو مبارک ہو مگر
اک نظر ایسی بھی جو سوزِ نہاں تک پہنچے

اپنی خامی کا فتور اس سے بڑا کیا ہو گا
راحتیں چھوڑ کے ہم آہ و فغاں تک پہنچے

دولتِ دیں کو گنوا کر یہ ترقی کیسی
دیکھئے قوم تنزل میں کہاں تک پہنچے

عہدِ حاضر کا زوال اور بھلا کیا ہو گا
صدق رخصت ہوا اور لوگ گماں تک پہنچے

عظمتِ رفتہ کے رہرو سے کوئی یہ کہہ دے
جس جگہ سلسلہ ٹوٹا تھا وہاں تک پہنچے

فکر انگیز ہے ذلت کی کہانی خالدؔ!!
چھوڑ کر تیغ و سناں عشقِ بتاں تک پہنچے

پروفیسر خالد شبیر احمد

پروفیسر محمد اکرام تائب

عارف والا

"ماں"

ہر قدم پر اک نئی حائل بلا ہے دوستو
دُور ہو جس سے بلا ماں کی دُعا ہے دوستو

روشنی پاتے ہیں مہر و مہ اسی کے نُور سے
ماں کے ہی قدموں تلے سب کچھ چُھپا ہے دوستو

کیا کہوں کتنا سکوں آور ہے یہ ماں کا وجُود
خُلد سے جو آئے وہ ٹھنڈی ہوا ہے دوستو

کیا خبر تم کو نہیں ماں کی دُعائے نیم شب
زخم دِل کے واسطے برگِ حنا ہے دوستو

گود میں اپنی جو لے کرکاٹ دے آنکھوں میں رات
کون کرتا اس جہاں میں یوں بھلا ہے دوستو

ماں کے دل پہ دیکھے بیٹے کے زخموں کے نشاں
ماں ہے رُوحِ زندگی، جانِ وفا ہے دوستو

پُرکشش گرچہ شریکِ زندگی بھی ہے بہت
رنگ ماں کے پیار کا لیکن جُدا ہے دوستو

ماں محبت، خدمت و ایثار و قُربانی کا نام
ماں تو اک انمول انعامِ خُدا ہے دوستو

ماں کے اوصافِ حمیدہ کو میں کیا کیا نام دُوں
پھول، خوشبُو، چاندنی، بادِ صبا ہے دوستو

کچھ بھی ہو گھبرا کے یوں تائب نہ ہرگز بولنا
ماں کی ناراضی جہنم کی سزا ہے دوستو

ماہنامہ نقیبِ ختمِ نبوت کا تاریخ ساز

امیرِ شریعت نمبر

قارئین توجہ فرمائیں !

جنوری ۱۹۹۳ء میں نقیبِ ختمِ نبوت کی عہد ساز اشاعت "امیرِ شریعت نمبر" شائع ہوا۔ ہم نے زیادہ سے زیادہ قارئین تک پہنچانے کے لئے اس کی قیمت انتہائی کم مقرر کی ۶۴۰ صفحات پر مشتمل یہ نمبر غیر مجلد/۱۰۰ روپے اور مجلد/۱۵۰ روپے میں فروخت کیا۔! جب کہ مستقل خریداروں کو لاگت سے بھی کم یعنی نصف قیمت پر مہیا کیا۔ اب یہ رعایت ختم کر دی گئی ہے۔ جن خریداروں نے پیشگی رقم ارسال کی وہ اس رعایت سے فائدہ اٹھا چکے ہیں۔

اس وقت صورت حال یہ ہے کہ غیر مجلد کاپیاں ختم ہو چکی ہیں اور مجلد کاپیاں محدود سٹاک میں موجود ہیں۔ جو قارئین اب یہ نمبر خریدنا چاہیں وہ مبلغ/۱۵۰ روپے منی آرڈر فرما دیں تو انہیں فوراً ارسال کر دیا جائے گا۔!

(سرکولیشن منیجر)

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم
انا خاتم النبیین لا نبی بعدی

جامع مسجد ختم نبوت

دارِ بنی ہاشم ــ مہربان کالونی ــ ملتان

زیرِ اہتمام: تحریکِ تحفظِ ختم نبوت (شعبہ تبلیغ) عالمی مجلس احرار اسلام پاکستان

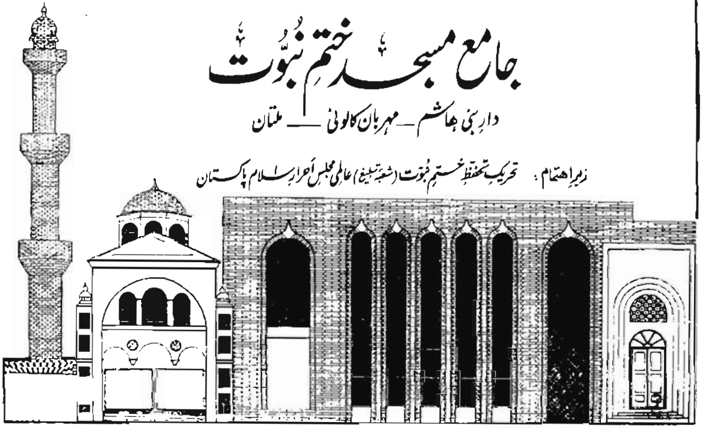

مسجد تکمیل کے مراحل میں ہے، دیواروں کے پلستر، ٹونٹیوں کی تنصیب، بجلی کی فٹنگ دروازوں اور کھڑکیوں کی تنصیب کا کام جاری ہے۔ اس وقت تعاون کی اشد ضرورت ہے۔ نقد و سامان تعمیر دونوں صورتوں میں تعاون کا ہاتھ بڑھائیں۔ اور اللہ سے اجر پائیں۔

ترسیل زر کے لئے

بذریعہ بنک ڈرافٹ، چیک

بنام ابنِ امیرِ شریعت سید عطاء المحسن بخاری

اکاؤنٹ نمبر: ۲۹۹۳۲، حبیب بنک حسین آگاہی ملتان۔

زیرِ اہتمام : تحریکِ تحفّظِ ختمِ نبوّت • قائم شدہ ۱۹۳۴ء، قادیان، ۱۹۷۶ء، ربوہ،
بانی : رئیس الاحرار امیرِ شریعت سیّد عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ

توحید و ختمِ نبوّت کے علمبردارو ! ایک ہو جاؤ،

پندرہویں سالانہ دو روزہ

شہدائے ختمِ نبوّۃ کانفرنس

بمقام :
جامع مسجد احرار ربوہ

زیرِ سرپرستی ○ شیخ المشائخ خواجہ خان محمد صاحب مدظلہ
زیرِ صدارت : مولانا عبدالحق چوہان صاحب مدظلہ،

بتاریخ : **۸، ۹، اپریل ۹۳ء**
جمعرات، جمعہ

خصوصی خطاب
قائدِ تحریکِ ختمِ نبوّت، ابنِ امیرِ شریعتؒ
سیّد عطاء المحسن بخاری مدظلہ،

تحریکِ تحفّظِ ختمِ نبوت (شعبۂ تبلیغ) عالمی مجلسِ احرارِ اسلام پاکستان
رابطہ فون : ملتان ۷۲۸۱۳، ربوہ ۸۸۶۵، لاہور ۶۸-۴۴۶۰۶، چنیوٹ ۲۳۴۳، چیچہ وطنی ۲۱۱۲-۲۹۵۳